

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

# حَسَنُ الْقَصَصِ



حَضْرَتِ رُؤُوسِ قَدَمِ النَّبِيِّ ﷺ

کا وہ تاریخی قصہ جس میں ہر صاحبِ خرد انسان کے لئے عبرتوں اور نصیحتوں کا تیش بہا خبزانہ اور سفرِ زندگی کے لئے ایسے سبق پوشیہ ہیں جن پہ عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامدائیاں حاصل ہوتی ہیں



مولانا محمد امجد علی شاہ  
میرپور



لَعَنُ نَفْسُ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

# أَحْسَنُ الْقَصَصِ

حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ تاریخی قصہ جس میں ہر صاحب خرد  
انسان کے لیے عبرتوں اور نصیحتوں کا بیش بہا خزانہ اور سطر زندگی کے  
لیے ایسے سبق پوشیدہ ہیں جن پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی  
کامرانیاں حاصل ہوتی ہیں۔



تَالِيفُ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

مَكْتَبَةُ حَلِيمِيَه

سائٹ، کراچی 75700 برائے رابطہ: 021-32562424

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ..... احسن القصص  
تالیف ..... مولانا محمد اسلم شیخوپوری  
کمپوزر ..... منور علی مبارک  
صفحات ..... ۱۷۶  
تعداد ..... ۱۱۰۰  
ناشر ..... مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی ۷۵۷۰۰

### ﴿ملنے کے پتے﴾

اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی  
نعمانی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی  
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی  
مکتبہ سید احمد شہید، الکریم مارکیٹ لاہور  
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
1	سورۃ یوسف کے اہم مضامین	1
8	اللہ کا احسانِ عظیم..... آیات ۱-۳	2
11	حکمت و ہدایت	3
12	خواب اور تعبیر..... آیات نمبر ۲-۶	4
14	خوابوں کی حقیقت	5
16	تاویل احادیث	6
18	حکمت و ہدایت	7
21	برادرانِ یوسف کی مشاورت..... آیات ۷-۱۰	8
23	یعقوب علیہ السلام کی محبت	9
24	برادرانِ یوسف کا فیصلہ	10
25	حکمت و ہدایت	11
26	لقطہ کا شرعی حکم	12
27	برادرانِ یوسف کی سازش..... آیات ۱۱-۱۸	13
30	حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ	14
32	جھوٹے آنسو	15
32	مقام نبوت کا احترام	16
35	حکمت و ہدایت	17
37	حضرت یوسف علیہ السلام کی خرید و فروخت..... آیات ۱۹-۲۱	18
39	عز و معر کی فراست	19
43	حکمت و ہدایت	20
44	ایک اور آزمائش..... آیات ۲۲-۲۹	21
47	ضمیر بیدار کرنے کی کوشش	22

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
48	غیر اختیاری دوسرے	23
54	حکمت و ہدایت	24
55	چند عورتوں کا فریب اور ناکامی..... آیات ۳۵-۳۰	25
58	انسان نہیں، دیوتا	26
60	مصیبت نہ کہ معصیت	27
62	حکمت و ہدایت	28
64	قید خانہ میں دعوتِ توحید..... آیات ۳۶-۳۲	29
68	جذبہ دعوت	30
72	خواب کی تعمیر	31
74	نسیان کی سزا؟	32
76	حکمت و ہدایت	33
78	بادشاہ کے خواب کی تعبیر..... آیات ۳۳-۳۹	34
83	حکمت و ہدایت	35
84	بادشاہ کی دعوت اور یوسف علیہ السلام کا جواب..... آیات ۵۰-۵۲	36
86	ایک اشکال	37
88	حکمت و ہدایت	38
89	حضرت یوسف علیہ السلام کی ریاست و وزارت..... آیات ۵۳-۵۷	39
94	حکمت و ہدایت	40
95	کیا اپنی تعریف جائز ہے؟	41
97	برادرانِ یوسف کی آمد..... آیات ۵۸-۶۲	42
101	حکمت و ہدایت	43
101	امتحان کی تکمیل	44

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
102	بیٹوں کی درخواست اور والد کا جواب..... آیات ۲۳-۲۶	45
105	قرآن اور بائبل	46
105	حکمت و ہدایت	47
108	تدبیر اور تقدیر..... آیات ۶۷-۶۸	48
111	حکمت و ہدایت	49
114	بھائی کو روکنے کی تدبیر..... آیات ۶۹-۷۶	50
117	تدبیر کیوں؟	51
120	حکمت و ہدایت	52
121	بنیامین کی گرفتاری پر بھائیوں اور والد کے تاثرات..... آیات ۷۷-۸۷	53
126	نیا صدمہ	54
130	حکمت و ہدایت:	55
133	افشائے راز..... آیات ۸۸-۹۳	56
136	حکمت و ہدایت	57
140	یوسف کی خوشبو..... آیات ۹۳-۹۸	58
144	حکمت و ہدایت	59
145	معافی تلافی کیسے؟	60
147	خواب کی تعبیر..... آیات ۹۹-۱۰۱	61
152	حکمت و ہدایت	62
154	اثبات نبوت محمد ﷺ..... آیات ۱۰۲-۱۰۸	63
159	حکمت و ہدایت	64
161	قرآنی قصص سے عبرت..... آیات ۱۰۹-۱۱۱	65
167	حکمت و ہدایت	66

## چند معروضات

19، 20 سال تک مختلف مدارس میں تدریس کے بعد جب بندہ ناچیز نے بعض اعذار کی بناء پر مسندِ درس کو خیر آباد کہا تو یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ میں دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو کر علومِ عالیہ سے محروم نہ ہو جاؤں، طویل غور و فکر کے بعد میں نے عربی اور اردو کی بعض قدیم اور جدید تفسیروں کی مدد سے قرآنِ کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا۔ ”تسہیل البیان“ کے نام سے لکھی جانے والی اس تفسیر کی اب تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سوا دس پارے مکمل ہوئے ہیں، چوتھی جلد میں سورہ یونس۔ سے سورہ حجر تک چھ سورتیں شامل ہیں اور یہ ان شاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

چونکہ سورہ یوسف کو ہر زمانے کے مفسرین نے خصوصی اہمیت دی ہے اور کئی ایک نے مستقل کتاب کی صورت میں الگ سے شائع کیا ہے، خود قرآن نے بھی اسے ”احسن القصص“ قرار دے کر مسلمانوں کو گہری نظر سے اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے تاکہ ان پر اس کے ”احسن القصص“ ہونے کا راز کھل سکے اسی لیے مذکورہ چھ سورتوں میں سے سورہ یوسف کو الگ شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس فیصلہ میں اس سورت کی ذاتی خصوصیات کے علاوہ ”تسہیل البیان“ کے اسلوب کا تعارف بھی مقصود ہے۔ وہ حضرات جو ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کر سکے، وہ سورہ یوسف کے مطالعہ سے جان سکیں گے کہ ہم نے پورے قرآن کی تفسیر میں کس قسم کا انداز اختیار کیا ہے، اختصار کے ساتھ یہ سمجھ لیں کہ ”تسہیل البیان“ میں سات چیزوں کا لحاظ رکھا گیا ہے:

1- ہر سورت کے آغاز میں اس کے مضامین کا خلاصہ دیا گیا ہے، سارے خلاصے

ہماری کتاب ”خلاصۃ القرآن“ سے ماخوذ ہیں۔

2- ایک یا چند آیات پر کوئی نہ کوئی عنوان قائم کیا گیا ہے اس لیے اسے موضوعاتی تفسیر بھی کہا جاسکتا ہے۔

3- خود ترجمہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ترجمہ دیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے، جسے برصغیر کے علماء تمام تراجم میں سے سب سے مستند ترجمہ قرار دیتے ہیں۔

4- ”تسہیل“ کے عنوان سے اسی ترجمہ کی تسہیل کی گئی ہے، اس تسہیل کو ”مختصر تفسیر“ یا ”ترجمہ مطوّل“ کہنا مناسب ہوگا۔

5- جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں آیات اور سورتوں کے درمیان ربط بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

6- ترجمہ اور تسہیل کے بعد کتاب و سنت اور مستند آثار و اقوال کی روشنی میں تفسیر کی گئی ہے۔

7- آخر میں حکمت و ہدایت کے عنوان سے وہ بصائر، مسائل و احکام اور ہدایات اور نصیحتیں بیان کی گئی ہیں، جو زیر تفسیر آیات سے حاصل ہوتی ہیں اور یہی عنوان حقیقت میں اس تفسیر کو دوسری تفاسیر سے ممتاز کرتا ہے۔

کسی بھی حکمت و ہدایت کے سامنے جو نمبر دیا گیا ہے، اس سے وہ آیت مراد ہے جس سے یہ ماخوذ ہے۔ ہر ضروری بات کا حوالہ دیا گیا ہے، متعدد مواقع پر اصل عبارت بھی دی گئی ہے، ان عبارات کا مطالعہ طالب علم کے لیے اس تفسیر کے حقیقی مراجع سے استفادہ آسان کر دے گا۔



وہ تمام علماء، مدرسین اور عوام، جن کے ہاتھوں میں یہ تفسیر یا "احسن القصص" پہنچے، ان سے درخواست ہے کہ وہ اس کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی رائے سے تحریری طور پر آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ صاحب علم قارئین کے مشوروں اور آراء سے آنے والی جلدوں میں فائدہ اٹھایا جائے گا اور حصول سعادت اور اشاعت ہدایت کی نیت سے لکھی جانے والی اس تالیف کو بہتر سے بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

محتاج دعا

محمد اسلم شیخوپوری

جامع مسجد توابعین، سیکٹر 6X

گلشن معمار کراچی

## ﴿سورۃ یوسف کے اہم مضامین﴾

سورۃ یوسف مکی ہے، اس میں ۱۱۱ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں، چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے سورۃ یوسف کا نام دیا گیا۔ قرآن کریم میں دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات میں تکرار پایا جاتا ہے، لیکن یہ تکرار کھلتا نہیں ہے، ہر جگہ نئے الفاظ، نئی تعبیر، کوئی نہ کوئی نیا سبق، نئی عبرت اور نئی نصیحت پائی جاتی ہے۔

یہ واقعات چھوٹے چھوٹے خوبصورت ٹکڑوں کی صورت میں پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں، ان ٹکڑوں کو جوڑنے سے پورا واقعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں تکرار نہیں، یہ واقعہ اول سے آخر تک پورے کا پورا سورۃ یوسف ہی میں مذکور ہے، دوسری سورتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام تو آیا ہے لیکن ان کے واقعہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی کسی دوسری سورت میں مذکور نہیں ہے، اہل علم نے کہا ہے کہ مخالفین نہ تو قرآن کے ”مکرر“ قصوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ”غیر مکرر“ قصوں کا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو خیر قرآن نے ”احسن القصص“ قرار دیا ہے کیونکہ اس قصے میں جتنی عبرتیں اور نصیحتیں پائی جاتی ہیں، وہ شاید ہی کسی دوسرے قصے میں پائی جاتی ہوں، جامعیت کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں دین بھی ہے دنیا بھی، توحید و فقہ بھی ہے اور سیرت و سوانح بھی، خوابوں کی تعبیر بھی ہے اور سیاست و حکومت کے رموز بھی، انسانی نفسیات بھی ہیں اور معاشی خوشحالی کی تدبیریں بھی، حسن و عشق کی حشر سامانی بھی ہے اور زہد و تقویٰ کی دستگیری بھی، اس میں انبیاء اور صالحین کا تذکرہ بھی ہے اور ملائکہ اور شیاطین کا بھی، نبیوں اور ولیوں کا بھی تو چوپاؤں اور پرندوں کا بھی، بادشاہوں، تاجروں، عالموں اور جاہلوں کے حالات بھی ہیں تو راہ راست سے ہٹ جانے والی عورتوں کی حیلہ

سازی، مکاری اور حیا باختگی بھی، پھر اس قصہ میں مد بھی ہے جزر بھی، گناہی بھی ہے اور شہرت بھی، غربت بھی ہے اور ثروت بھی، عزت بھی ہے اور ذلت بھی، صبر و ثبات بھی ہے اور بندگی شہوت بھی۔

ایک بڑی خوبی جو اس قصہ میں پائی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس قصے کے ضمن میں حضور اکرم ﷺ اور ان کے مخالفین کے حال اور مستقبل کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی طرح ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ بھی قریشی بھائیوں نے حسد کیا، قتل کے مشورے کئے، آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا، تین دن تک غارِ ثور میں روپوش ہونا پڑا، وہاں سے مدینہ ہجرت فرما گئے، وہاں بتدریج آپ کو عروج حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ پہلی اسلامی مملکت کے سربراہ بن گئے، مکہ فتح ہوا تو قریشی بھائی نادم و شرمندہ ہوئے، انہیں آپ کے سامنے سراقلندہ ہونا پڑا، اسے حسن اتفاق کہئے یا عمد اور قصد کہ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

”میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی، جاؤ تم آزاد ہو، تم پر کوئی الزام نہیں۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اس قدر مشہور ہے کہ حقیقی مسلمان گھرانوں کے بچوں تک کو ازبر ہے، اس لیے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اجمالی طور پر ہم اسے بیان کر کے ان بصائر و عبرت کو بیان کرنے پر خصوصی توجہ دیں گے جو اس قصہ سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں، چونکہ سورہ یوسف بارہویں اور تیرہویں دونوں پاروں میں آئی ہے اور یہ قصہ تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے، اس لیے ہم اس تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے پہلے پورے قصے کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اور پھر عبرتوں اور نصیحتوں کو بیان کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ان میں سے غیر معمولی طور پر حسین تھے، ان کی سیرت اور صورت دونوں کے حسن کی وجہ سے والد گرامی قد، ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے، محبت کی ایک وجہ آپ کا اور آپ کے بھائی بنیامین

کاسب سے چھوٹا ہونا بھی تھا جبکہ دونوں کی والدہ بھی انتقال کر چکی تھیں، چھوٹے بچے سے محبت انسان کی فطرت ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

”چھوٹے سے جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے، غائب سے جب تک کہ وہ نہ آجائے اور بیمار سے جب تک کہ وہ تندرست نہ ہو جائے۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام سے والد کی اس محبت کی وجہ سے بھائی حسد میں مبتلا ہو گئے، وہ اپنے والد کو تفریح کا کہہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے اور آپ کو کنویں میں گرا دیا، وہاں سے ایک قافلہ گزرا، انہوں نے پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا تو اندر سے آپ نکل آئے، قافلہ والوں نے مصر جا کر بیچ دیا، عزیز مصر نے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا، جوان ہوئے تو اس کی بیوی آپ پر فریفتہ ہو گئی، اس نے بُرائی کی دعوت دی، آپ نے اس کی دعوت ٹھکرا دی، عزیز مصر نے بدنامی سے بچنے کے لیے آپ کو جیل میں ڈلوادیا، قید خانے میں بھی آپ نے دعوتِ توحید کا سلسلہ جاری رکھا جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے، بادشاہ وقت کے خواب کی صحیح تدبیر بتانے کی وجہ سے آپ اس کی نظروں میں سچ گئے، اس نے آپ کو خزانے، تجارت اور مملکت کا خود مختار وزیر بنا دیا، مصر اور گرد و پیش میں قحط کی وجہ سے آپ کے بھائی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر آئے، ایک دو ملاقا توں کے بعد آپ نے انہیں بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی یوسف ہوں، پھر آپ کے والدین بھی مصر آ گئے اور سب یہیں آ کر آباد ہو گئے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اجمالی طور پر عرض کیا جا چکا ہے، اب اس قصہ سے جو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں وہ عرض کی جاتی ہیں، لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان عبرتوں اور نصیحتوں کا تعلق اس قصہ کے صرف اس حصہ سے نہیں ہے جو تیرھویں پارہ میں آیا ہے بلکہ مجموعی طور پر پورے واقعے سے جو بصائر و عبرت حاصل ہوتے ہیں وہ ذیل میں بالترتیب لکھے جا رہے ہیں:

﴿۱﴾..... بعض اوقات مصیبت، نعمت اور راحت تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی ابتداء تو الٹا ناک پریشانیوں سے ہوئی، انہیں کنوئیں میں بے یار و مددگار ڈال دیا گیا، مصر میں غلاموں کی منڈی میں ان کی خرید و فروخت ہوئی، عورتوں کے فتنہ کا سامنا کرنا پڑا، کئی سال تک جیل کی کال کوٹھڑی میں بند رہے، لیکن انجام یہ ہوا کہ وہ مصر کے حکمراں بنے اور انہیں دینی اور دنیاوی عزت نصیب ہوئی۔

﴿۲﴾..... حسد انتہائی خوفناک بیماری ہے، سگے بھائیوں میں بھی یہ بیماری پیدا ہو جائے تو افسوسناک واقعات جنم لیتے ہیں۔

﴿۳﴾..... اچھے اخلاق، اعلیٰ اوصاف اور بہتر تربیت بہر حال اپنا رنگ دکھا کر رہتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت ایک عظیم باپ کے ہاتھوں خاندانِ نبوت میں ہوئی تھی اور آباء و اجداد کی اخلاقی میراث میں سے بھی آپ نے وافر حصہ پایا تھا، مثالی تربیت اور اخلاقی کمال ہی کی وجہ سے آپ مصائب و شدائد کے سامنے بڑی پامردی سے کھڑے رہے جس کی وجہ سے کلفت کے بعد راحت کا اور ظاہری ذلت کے بعد حقیقی عزت کا دور آ کر رہا۔

﴿۴﴾..... عفت و امانت اور استقامت ساری بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، یونہی دین پر جمے رہنے والوں کو ایک نہ ایک دن عزت اور احترام حاصل ہو کر رہتا ہے اور حقیقت اور حق کو جتنا بھی چھپایا جائے، بالآخر وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

﴿۵﴾..... مرد اور عورت کا اختلاط اور خلوت میں میل جول فتنہ کا باعث ہوتا ہے، نہ زینما کو خلوت میسر آتی اور نہ ہی وہ بُرائی کی منصوبہ بندی کرتی، اسی لیے اسلام نے مرد و زن کے خلوت میں ملنے کو حرام قرار دیا ہے، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ: ”جب مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا فرد شیطان ہوتا ہے۔“

﴿۶﴾..... ذاتِ باری پر ایمان اور عقیدہ کی پختگی سے مصائب کا برداشت کرنا

اور اخلاقی نجاستوں سے دامن کا بچانا آسان ہو جاتا ہے۔

﴿۷﴾..... مؤمن کو چاہیے کہ وہ ہر تنگی اور پریشانی کے وقت صرف اللہ کی طرف رجوع کرے۔ جب عزیز مصر کی بیوی نے بُرائی کا ارتکاب نہ کرنے کی صورت میں جیل کی دھمکی دی تھی تو آپ نے معصیت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے رب کو پکارا تھا:

”اے میرے رب! جیل مجھے اس بُرائی سے زیادہ محبوب ہے جس کی دعوت زناں مصر مجھے دیتی ہیں۔“

بعض اللہ والوں کے بارے میں آتا ہے کہ جب کسی مصیبت اور بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان سے تعزیت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا:

”الحمد لله ا بمصیبتی گرفتارم نہ بمعصیتی“ (اللہ کا شکر ہے مصیبت میں مبتلا ہوں، معصیت میں نہیں۔)

﴿۸﴾..... سچا داعی، انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں بھی دعوت کے فریضہ سے غافل نہیں ہوتا، سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں بھی دعوت تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، جو لوگ آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے، ان کو بھی آپ نے پہلے توحید کی دعوت دی اس کے بعد خواب کی تعبیر بتلائی اور کہا جاتا ہے کہ جیل کے قیدیوں نے آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان قبول کر لیا تھا، خود مصر کا بادشاہ بھی اسلام لے آیا تھا۔

﴿۹﴾..... ہر مسلمان کو عموماً اور داعی اور پیشوا کو خصوصاً اپنے دامن کی صفائی کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، حضرت یوسف علیہ السلام کو کئی سال بعد جب رہائی نصیب ہوئی تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ آپ کی برأت اور طہارت کا اعلان اور اعتراف نہ کر لیا جائے، تاکہ کل کو آپ کو یہ طعنہ نہ دیا جائے کہ معاذ اللہ! تھے تو مجرم مگر رحم اور ترس کھاتے ہوئے رہا کر دیا گیا۔

﴿۱۰﴾..... اس واقعہ سے صبر کی فضیلت اور اس کے بہترین نتائج کا بھی یقین

آجاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں کی تاریکی سے جیل کی تنہائی تک اور عزیز مصر کے گھر سے بھائیوں کو معاف کرنے تک ہر جگہ مضبوطی کے ساتھ صبر کا دامن تھامے رکھا، اس صبر کے جو نتائج سامنے آئے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر، راحتوں اور نعمتوں کے دروازے کی چابی، نصف ایمان اور اللہ کی نصرت اور رحمت کو متوجہ کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

﴿۱﴾..... اس قصہ کے مطالعہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برأت اور طہارت کی کئی شہادتیں سامنے آتی ہیں۔  
پہلی شہادت رب العالمین کی ہے۔

دوسری شہادت شیطان کی ہے کیونکہ شیطان نے باری تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا تھا:

”تیری عزت کی قسم! میں سب (انسانوں) کو گمراہ کر دوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں۔“ {۱}

اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص اور منتخب تھے لہذا انہیں راہِ راست سے ہٹانا خود شیطان کے بقول ممکن ہی نہ تھا۔

تیسری شہادت خود حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے، ابھی گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا:

”اے میرے رب! مجھے جیل زیادہ محبوب ہے اس برائی سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔“

چوتھی شہادت عزیز مصر کی بیوی کی ہے، جب اس نے واضح طور پر کہا تھا:  
”اب حق واضح ہو گیا، میں نے اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور یہ بچوں میں سے ہے۔“

پانچویں شہادت عزیز مصر کے خاندان کے اس فرد کی ہے جس نے کہا تھا:  
 ”اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو یہ سچی ہے اور یوسف (معاذ اللہ) جھوٹوں میں  
 سے ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے  
 ہے۔“ جب دیکھا گیا تو آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔

چھٹی شہادت ان زنانِ مصر کی ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے انہوں  
 نے آپ کے کردار کی صفائی کی گواہی دیتے ہوئے کہا تھا:  
 ”ہمیں یوسف کے بارے میں کسی برائی کا علم نہیں ہے۔“

ان تمام شہادتوں سے قطعی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ثابت ہوتی  
 ہے۔ اب اگر کوئی سیاہ دل آپ کی طرف برائی کی نسبت کرتا ہے تو اس سے بڑا جاہل  
 اور غبی کوئی نہیں۔

﴿۱۲﴾..... بارہویں نصیحت اس قصہ سے یہ حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کسی کو تکلیف  
 میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر لے تو اس کی تقدیر اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اگر کسی کے  
 ساتھ خیر اور عزت کا فیصلہ کر لے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

سورہ یوسف کا اختتام اس آیت پر ہوا ہے:

”ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے، یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے  
 خود بنا لیا جائے بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل)  
 ہوئی ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“

گویا اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے  
 نکال کر تخت پر بٹھا سکتا ہے، وہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ محمد ﷺ کو بھی عزت  
 عطا کرے اور ان کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔



## اللہ کا احسانِ عظیم

﴿.....۳﴾

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

الْوَسْطٰیۙ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْۤاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ

الہیہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ○ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو ○ ہم  
نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِۙ بِمَا اَوْحٰیۤنَاۤلَیْكَ هٰذَا الْقُرْۤاٰنَ ﴿۳﴾ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ  
بیان کرنے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن، اور تو تھا اس سے پہلے

مَبْلٰٓغٍ لِّبَنِيۤنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۴﴾

البتہ بے خبروں میں ○

رابطہ: سورہ یوسف اور سورہ ہود کے درمیان کئی اعتبار سے مناسبت پائی جاتی ہے۔

الف..... سورہ یوسف، سورہ ہود کے بعد نازل ہوئی۔

ب..... دونوں سورتوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، ان

قصوں اور دوسرے مضامین سے جو مشترک حقیقت ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے

کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جس کشمکش

کا آغاز ہوا ہے، اس کا آخری نتیجہ اہل حق کی کامیابی اور اہل باطل کی ناکامی کی

صورت میں نکلے گا، اس حقیقت کے بیان میں جہاں قریش کے لیے اندازہ ہے

تو وہیں مسلمانوں کے لیے بشارت بھی ہے۔

ج..... سورہ یونس، سورہ ہود اور سورہ یوسف تینوں کا آغاز ”الْوَسْطٰی“ سے ہوا ہے، البتہ

سورہ یونس میں کتاب کی صفت ”الحکیم“ لائی گئی (یعنی حکمت والی کتاب)

سورہ ہود میں اس کی صفت ”احکمت“ لائی گئی (یعنی ایسی کتاب جس کی

آیات محکم ہیں) اور سورہ یوسف میں اس کی صفت ”المبین“ لائی گئی (یعنی

ایسی کتاب جو واضح ہے) اس میں حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ سورہ یونس اور ہود میں اصول دین سے بحث کی گئی ہے جن میں حکمت بھی پائی جاتی ہے اور وہ محکم بھی ہیں، اس لیے کتاب کو حکمت اور احکام سے موصوف کرنا زیادہ مناسب تھا جبکہ سورہ یوسف میں ایسے مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں جو اللہ کے نبی کو قدم قدم پر پیش آئے اس لیے کتاب کو صفت بیان سے موصوف کیا گیا۔

..... معجزہ حکمتوں اور مقاصد کی بناء پر ہر نبی کا قصہ مختلف سورتوں میں اجزاء کی صورت میں مکرر بیان ہوا ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ صرف سورہ یوسف میں بیان کیا گیا ہے، کسی دوسری سورت میں اس کا کوئی جزء نہیں آیا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے دونوں انداز حد بلاغت تک پہنچے ہوئے ہیں، مخالفین نہ تو ان قصوں کی نظیر لاسکتے ہیں جو مکرر آئے ہیں اور نہ اس حصے کی نظیر لاسکتے ہیں جو غیر مکرر آیا ہے۔ {۱}

تسہیل: الف، لام، را..... یہ واضح کتاب کی آیات ہیں O ہم نے عربی زبان میں قرآن نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ لو O اے ہمارے پیغمبر! ہم اس وحی کی بدولت آپ کو بہترین قصہ سناتے ہیں جس کے ذریعے ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے، یقیناً اس کے نزول سے پہلے آپ اس قصہ سے بے خبر تھے O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۱﴾..... یہ واضح کتاب کی آیات ہیں، ایسی کتاب، جس کا معجزہ اور برحق ہونا بالکل واضح ہے، جو دین کے حقائق اور دنیا کی مصلحتیں ظاہر کرنے والی ہے، یہ حق اور باطل، حلال اور حرام میں امتیاز کرتی ہے، اس کتاب کی صداقت کے لیے خارجی دلائل کی

{۱} فلم یقدر مخالف علی معارضة ما تکرر ولا علی معارضة غیر المتکرر  
(قرطبی ۱۰۱/۹)

ضرورت نہیں کیونکہ اس کی حقانیت کے دلائل خود اس کے اندر موجود ہیں۔

﴿۲﴾..... یہ کتاب ”قرآن“ ہے، قرآن کا معنی ہے: ”پڑھنا“

اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا پڑھنا بھی عبادت ہے، سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”حسد“ (رشک) صرف دو شخصوں پر ہونا چاہیے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہو اور وہ شب و روز اس کی تلاوت میں مصروف رہتا ہو، دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔“ {۲}

﴿عربی﴾ یہ کتاب عربی زبان میں ہے، قرآن صرف اسے کہا جائے گا جو عربی میں ہو اور وہی الفاظ ہوں جو آسمان سے نازل ہوئے، کسی دوسری زبان میں اس کے ترجمہ اور مفہوم پر ”قرآن“ کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اختصار کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے، صرف لفظ اور الفاظ کو قرآن نہیں کہا جاسکتا۔ عربی زبان نہ صرف فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے مالدار زبان ہے بلکہ ذخیرۃ الفاظ کی وسعت اور معانی کی ادائیگی کی سہولت کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔

قرآن کا عربی زبان میں ہونا اہل عرب کے لیے ایک اعزاز بھی تھا اور ان پر ایک حجت بھی تھا، جن لوگوں نے اپنی مادری زبان میں ہونے کے باوجود اللہ کی کتاب سے فائدہ نہ اٹھایا، ان سے بڑا بد نصیب کون ہو سکتا ہے۔

﴿۳﴾..... اسی قرآن میں بذریعہ وحی وہ قصہ بھی بیان ہوا ہے جو اللہ کی نظر میں ”احسن القصص“ (قصوں میں سے بہترین) ہے، اس قصہ کے بہترین ہونے کے بارے میں ہم خلاصہ سورت میں بقدر ضرورت بحث کر چکے ہیں، مختصر یہ کہ یہ قصہ دین

اور دنیا، فرد اور جماعت، اولاد اور والدین، نسوانی اور شہوانی جذبات، اقتصادی اور سیاسی مسائل، عقائد اور اعلیٰ اخلاق جیسے متنوع مضامین پر مشتمل ہے اور اس کے آئینے میں نہ صرف قریش اور رحمۃ اللعلمین ﷺ کا مستقبل دکھا دیا گیا ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے بتا دیا گیا کہ وقتی ہنگاموں اور عارضی مدوجزر سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلا آخر عزت اور سرفرازی کے حقدار وہی ہوتے ہیں جو اعلیٰ کردار اور اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔

حکمت و ہدایت:

۱..... قرآن اپنی ذات کے اعتبار سے بھی واضح ہے اور حلال و حرام حق و باطل، حدود اور

احکام، مسائل اور اخلاق جیسے مضامین بیان کرنے کے اعتبار سے بھی واضح ہے۔ (۱)

۲..... قرآن کا عربی زبان میں ہونا عالم انسانی پر عموماً اور عالم عرب پر خصوصاً بہت بڑا

احسان ہے، انسانوں میں سے سب سے زیادہ عربوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن

پر ایمان لائیں اور اسے سمجھیں۔ (۲)

۳..... عربی، مسلمانوں کی محبوب زبان ہے، اس لیے کہ قرآن عربی میں ہے، حضور اکرم ﷺ

کی زبان عربی تھی اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ (۳)

۴..... قرآن کریم سے براہ راست استفادہ کے لیے عربی زبان سیکھنا ضروری ہے۔ (۴)

۵..... قرآن کو سمجھنا اس کے مقاصد نزول میں سے بھی ہے اور اس کے حقوق میں سے

ایک حق بھی ہے۔ (۳) اس مقصد اور حق کو کہیں ”تعقلون“ کہیں ”تتفکرون“

اور کہیں ”یتدبرون“ سے بیان کیا گیا ہے۔

۶..... حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ حسن بیان، شوکتِ الفاظ اور کمال فصاحت کے

اعتبار سے بھی بہترین ہے اور انسانی نفسیات، بصائر و عبر اور ہدایات کے اعتبار

سے بھی بہترین ہے۔

## خواب اور تعبیر

﴿ ۲.....۶ ﴾

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ! میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کا اور سورج کا اور چاند کو دیکھا

رَأَيْتُهُمْ لِي سُجِدِينَ ۚ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ

میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے ۰ کہا اے بیٹے! مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے بھروسہ

كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ حَدٌ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَكَذَلِكَ يَجْتَسِيمُكَ رِيكٌ وَاعْلَمَنَّكَ

بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب، البتہ شیطان ہے انسان کا سرحد دشمن ۰ اور اسی طرح بڑے گزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب

مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَبِمَنَّمَا نَمَتُهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا اتَّهَمَ عَلَىٰ آبَوَيْكَ

اور سکھائے گا تجھ کو لکھانے پر لگانا باتوں کا اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے تیرے دو

مِن قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رِيكٌ حَلِيمٌ حَكِيمٌ ۚ

باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا ۰

تسہیل: یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ بھائیوں! میں نے

خواب میں گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے سجدہ کر رہے

ہیں ۰ والد نے جواب دیا کہ اے میرے پیارے بیٹے! یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے

بیان نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں، بے شک شیطان انسان کا

کھلا ہوا دشمن ہے ۰ جیسے یہ مبارک خواب تمہیں دکھایا گیا ہے یونہی تمہارا رب کسی جوئے

منصب کے لیے تمہارا انتخاب کرے گا اور تمہیں باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھائے گا اور تم پر اور

آل یعقوب پر اپنی نعمت تام کرے گا جیسے اس سے پہلے تمہارے اجداد ابراہیم اور اسحاق پر

اس نے اپنی نعمت تام کی تھی، بے شک تمہارا رب بڑا ہی عظیم و حکیم ہے ۰

## ﴿تفسیر﴾

﴿۴﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے سامنے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو اپنے سامنے جھکتے اور تواضع اختیار کرتے دیکھا ہے۔ {۳}

حضرت یوسف علیہ السلام غیر معمولی طور پر سلیم الفطرت، سنجیدہ، باوقار اور سمجھدار تھے، وہ خود بھی جان گئے تھے کہ یہ کوئی عام خواب نہیں اس لیے انہوں نے اس کا ذکر ادھر ادھر کرنے کے بجائے صرف اپنے عظیم المرتبت والد کے سامنے کیا، ہمارے آقا ﷺ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ خواب صرف اسی کے سامنے بیان کیا کرو جو عقلمند ہو یا تم سے محبت کرنے والا ہو۔ {۴}

﴿رَأَيْتُمْهُ﴾ چونکہ اس خواب سے آپ کی بڑائی ظاہر ہوئی تھی، اس لیے اسلوب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خواب بیان کرتے کرتے ذرا دیر کے لیے ٹھہر گئے اور جب ان سے اس روایت کی کیفیت کا سوال کیا گیا تو کے بعد فرمایا ”رَأَيْتُمْهُ لِي سَجْدِينَ“ یہ نکتہ ”رأيت“ کے تکرار سے سمجھ آتا ہے۔ {۵}

یہاں یہ اشکال اول تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے سامنے سجدہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ قصہ خواب کا تھا بیداری کا نہیں اور خواب پر بیداری کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، اور اگر بالفرض کسی کے دل میں یہ اشکال آ ہی جائے تو اسے جان لینا چاہیے کہ سجدہ صرف زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں نہیں آتا، تواضع اور عاجزی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

{۳} المراد بالسجود نفس السجود والتواضع..... قلنا: كلاهما محتمل (کبير ۶، الجزء الثامن عشر/ ۴۱۹)

{۴} لا تحدث بها إلا لبيبا أرحيبيا (ترمذی ۲، ابواب الرؤيا/ ۵۳) لا تقصها إلا على واد

أزدي رأی (ابوداؤد ۲، کتاب الادب/ ۳۳۷)

{۵} (کبير ۶، ۱۸/ ۱۸۰-۳۱۹)

## خوابوں کی حقیقت

﴿۵﴾..... خواب ہی واضح نہ تھا اپنے بیٹوں کے جذبات اور خیالات بھی حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح تھے، وہ جانتے تھے کہ یوسف کی غیر معمولی صلاحیتوں اور طاہری اور باطنی حسن کی وجہ سے اسے والدین کی جو خصوصی توجہ اور محبت حاصل ہے، وہ اس کے بھائیوں کے دل میں کھٹکتی ہے اور انہیں اس امر کا اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں حسد میں مبتلا ہو کر وہ کوئی ناروا حرکت نہ کر بیٹھیں، اسی لیے انہوں نے یوسف کو سختی سے منع کر دیا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آجائیں، ان گیارہ بھائیوں میں آپ کا حقیقی بھائی بن یامین بھی تھا، اس کی طرف سے اگرچہ برائی کا اندیشہ نہ تھا لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ بھولپن سے اس خواب کا تذکرہ دوسروں کے سامنے کر دے اس لیے اس کے سامنے بھی ذکر کی اجازت نہیں دی۔

قرآن نے اپنے سوتیلے بھائیوں کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے تعلقات کی کشیدگی کی کوئی وجہ نہیں بتائی لیکن بائبل کہتی ہے کہ اس کی ایک وجہ یوسف علیہ السلام کا خود شرارتوں سے الگ رہتے ہوئے اپنے بھائیوں کی شرارتوں کے بارے والد کو اطلاع دینا تھا۔

”یوسف نے ان کے باپ کے پاس ان کے بارے میں نتیجہ افواہ پہنچا دی۔“ {۶}

ہمارے آقا ﷺ نے خواب بیان کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں جو اصولی رہنمائی فرمائی ہے، وہ یہ ہے:

”جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو بیان کر دے اور جب کوئی ناپسندیدہ

خواب دیکھے تو کروٹ بدل کر بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے تو یہ خواب اسے کچھ بھی نقصان نہیں دے گا۔“ {۷}

اس رہنمائی میں ان وہمی لوگوں کا بھی علاج ہے جو خوابوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں کہ جو حادثہ اور سانحہ خواب میں دیکھا ہے وہ وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔

اصل یہ ہے کہ خواب مختلف قسم کے ہوتے ہیں، ان میں شیطانی وساوس کا بھی عمل دخل ہوتا ہے اور پریشان خیالی، دماغی سیر، عالم بیداری کی تمناؤں اور روح کے مشاہدات کا اثر بھی ہوتا ہے، بعض خواب اللہ کی طرف سے تنبیہ اور بعض بشارت کی صورت میں ہوتے ہیں، انسان کے گرد و پیش، اس کی مصروفیات بلکہ موسموں اور غذاؤں تک کا خوابوں پر اثر پڑتا ہے، اس لیے نہ تو خوابوں کو کلی طور پر فضول سمجھنا چاہیے اور نہ ہی انہیں قطعیت کا مقام دینا چاہیے، بالخصوص شرعی مسائل میں خوابوں کی کوئی حیثیت نہیں، خواب دیکھنے والا کتنا ہی صالح اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو، نہ تو اس کے خواب سے کوئی چیز فرض یا واجب یا سنت اور مستحب ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی حلال حرام ہو سکتا ہے، خوابوں میں تعبیر کی بہت زیادہ اہمیت ہے، ہر کوئی تعبیر بتانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اکثر لوگ اس بارے میں اٹکل سے کام لیتے ہیں، ان سے جب تعبیر پوچھی جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے خاموشی اختیار کی تو عوام ہمیں جاہل سمجھیں گے چنانچہ وہ جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور کہہ دیتے ہیں، بے شمار لوگوں کی دکانیں خوابوں ہی کے دم قدم سے آباد ہیں، یہ جملہ جو ابھی



ابھی زبانِ قلم سے نکل گیا ہے، اس کی تشریح میں کئی صفحات سیاہ کیے جاسکتے ہیں مگر بمقام اس طوالت کی اجازت نہیں دیتا، تاہم چند احادیث اور معروضات ”حکمت و ہدایت“ میں پیش کریں گے۔

﴿۶﴾..... اے میرے بیٹے! جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک خواب دکھانے کے لیے تمہارا انتخاب کیا ہے، یونہی اپنے پیام کی دعوت اور نبوت کے لیے بھی تمہارا انتخاب کرے گا۔

### تاویل احادیث

﴿وَعَلَّمَكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”اور تمہیں احادیث کی تاویل کا علم دے گا“ خوابوں کی ٹھیک ٹھیک تعبیر، ہر بات کا موقع و محل سمجھنا، معاملات کے نتائج فوراً پرکھ لینا، اللہ کے کلام، انبیاء کے ارشادات اور اقوام عالم کے قصوں کی تہہ تک پہنچ جانا، یہ سب کچھ ”تاویل احادیث“ میں آجاتا ہے (۸) اگرچہ اکثر مفسرین نے اس کا معنی ”خوابوں کی تعبیر“ کیا ہے (۹) لیکن بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نبی کے لیے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ اسے اللہ سبحانہ کا خاص عطیہ قرار دیا جاتا، یہ ملکہ تو بعض غیر انبیاء کو بھی حاصل ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے ایسی بصیرت و مہارت، ایسی حکمت و دانائی، ایسی پختگی اور دیدہ وری عطا فرمائی تھی کہ وہ بہت جلد ہر بات کے مطلب، ہر واقعہ کے نتیجہ، ہر بھید کی حقیقت اور ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اور اسی کا دوسرا عنوان ”تاویل احادیث“ ہے۔

(۸) یراد بتاویل الأحادیث معانی کتب اللہ وسنن الانبیاء وماغض واشتبہ علی الناس من أغراضها ومقاصدها (کشاف ۳۱۹/۲)  
 (۹) المراد منه تعبیر الرؤیا (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۳۶۰) ”ويعلمك من تاویل الأحادیث“ تاویل الرؤیا وتعبیرھا (تفسیر المراغی ۱۱۵/۱۲)

اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدائی زندگی مصر میں بسر ہوئی، انسان اپنے خارجی ماحول سے ضرور متاثر ہوتا ہے، نہ انہیں تعلیم کے مواقع میسر آئے اور نہ ہی بادشاہوں، سیاستدانوں اور اقتصادی ماہرین سے ان کی کبھی ملاقات ہوئی، لیکن جب نوشہہ تقدیر کے نتیجے میں وہ مصر جیسی تمدن سر زمین میں جا پہنچے اور کئی سال جیل کی تنہائیوں میں بسر کرنے کے بعد انہوں نے خود عزیز مصر کی درخواست پر شاہی محلات میں قدم رکھا، تو پورے اعتماد سے فرمایا:

﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا﴾  
 ”مصر کے خزانے میرے حوالے کر دیجیے، میں  
 دیا نندار اور محافظ بھی ہوں اور اس کام سے  
 واقف بھی ہوں۔“

بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ آپ کا یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت تھا۔ سوچیے! یہ واقفیت اور ملکہ انہوں نے کہاں سے حاصل کیا؟ کسی یونیورسٹی میں؟ کسی بادشاہ کے دربار میں؟ نہیں بلکہ یہ وہی ”علم تاویل الاحادیث“ تھا جو فیاض حقیقی نے آپ کو عطا کیا تھا۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ﴾ اے میرے بیٹے! اللہ تمہیں اور آل یعقوب کو اسی طرح دین و شریعت کی نعمت عطا فرمائے گا جیسے اس نے تمہارے اجداد یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کو یہ نعمت عطا فرمائی تھی، دنیاوی اقتدار، مادی خوشحالی، اولاد کی کثرت، خاندان کی وسعت اور عزت و شہرت، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں لیکن کوئی نعمت کامل نہیں ہو سکتی جب تک دین و شریعت کی نعمت حاصل نہ ہو۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ تیرا رب ہی جانتا ہے کہ کون نعمت کا مستحق ہے اور کس کے اندر اسے قبول کرنے کی استعداد ہے، پھر وہ اپنی حکمت سے اسے یہ نعمت عطا کرتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

انبیاء کے خواب:

..... عام انسانوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی، حدیثِ نفس بھی ہوتے ہیں اور شیطانی وساوس بھی، دماغی سیر بھی ہوتے ہیں اور روحانی مشاہدہ بھی، لیکن انبیاء کے خواب بہر حال سچے ہوتے ہیں، یہ تو ممکن ہے کہ ان کی تعبیر فوراً سامنے نہ آئے مگر یہ ناممکن ہے کہ وہ جھوٹے ثابت ہوں، بعض حکماء کا قول ہے کہ رؤی قسم کے خوابوں کی تعبیر بہت جلد وقوع پذیر ہو جاتی ہے جبکہ اچھے خوابوں کی تعبیر دیر بعد سامنے آتی ہے۔

ہمارے آقا ﷺ نے صلحاء کے خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں یعنی وہ نیک اور سچے خواب جو ایک مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں کوئی اور دیکھتا ہے۔“ {۱۰}

مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”تم میں سب سے سچا خواب اسی کا ہوگا جو سب سے زیادہ سچ بولنے والا

ہوگا۔“ {۱۱}

صلحاء کے خواب کو نبوت کا جزء اس لیے قرار دیا گیا ہے کیونکہ نبوت کی ابتداء سچے خوابوں سے اور انتہاء وحی الہی پر ہوتی ہے، خواب دیکھنے والے کو بعض اوقات غیبی خبروں کی اطلاع کر دی جاتی ہے اور یہ نبوت کا خاصہ ہے، خود رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے

{۱۰} (ابن ماجہ، کتاب النکاح/۲۷۸)

{۱۱} (مسلم، کتاب الرؤیا/۲۳۱، ابوداؤد، کتاب الادب/۳۳۶) ”اصدقہم“

بدل ”اصدقکم“

سچے خواب دیکھا کرتے تھے، چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد وحی آئی، یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگرچہ خواب نبوت کا جزء ہیں مگر خواب دیکھنے والے کو شریکِ نبوت یا چھوٹا نبی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حدیث میں اگر سچے خواب کو نبوت کا چھیا لیسواں حصہ بتایا گیا ہے تو بعض اعلیٰ اخلاق کو پچیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

﴿الْقَصْدُ وَالتُّؤَدَةُ وَحَسَنُ السَّمْتِ﴾ ”میانہ روی، بردباری، متانت اور اچھی روش  
جزء من خمسة وعشرين جزءاً“ نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔“  
من النبوة ﴿۱۲﴾

عربی زبان میں خواب کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، حلم اور رؤیا، اردو میں دونوں کا معنی خواب ہے، جبکہ حدیث میں دونوں میں فرق کیا گیا ہے، حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿الرياء الصالحة من الله﴾ ”اچھا خواب اللہ کی طرف سے جبکہ برا خواب  
والحلم من الشيطان﴾ ﴿۱۳﴾“ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔“

عام طور پر اچھے اور سچے خواب وہی دیکھتے ہیں جن کا دل و دماغ ایمان کے نور سے منور ہوتا ہے، بعض اوقات کافر اور فاسق و فاجر انسان کا خواب بھی سچا ثابت ہو جاتا ہے لیکن ہم اسے نبوت کا جزء نہیں کہیں گے کیونکہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جس کسی کی مستقبل کے بارے میں پیشگوئی سچی ثابت ہو جائے اس کی خبر کو نبوت کا حصہ تسلیم کر لیا جائے، بے شمار کاہنوں، نجومیوں، دست شناسوں اور انسانیت کے دشمنوں کی بعض خبریں سچی ثابت ہو جاتی ہیں یہی حال ان کے خوابوں کا بھی ہے، تو کیا ان سب کی اناپ شناپ کو نبوت کا حصہ مان لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں!

﴿۱۲﴾ (الموطا/ ۹۵۴ بحوالہ نضرة النعيم/ ۱۵۹۲/۵)

﴿۱۳﴾ (بخاری ۲، کتاب التعمیر/ ۱۰۳۵)

۲..... خواب صرف ایسے شخص کے سامنے بیان کرنا چاہیے جو صاحب علم، خیر خواہ، محبت کرنے والا اور تعبیر میں ٹھڈ بد رکھتا ہو، جاہل اور بد خواہ ممکن ہے کوئی ایسی تعبیر بتا دے جو انسان کو وہی بنا دے اور اس سے کوئی ایسی حرکت کروا دے جو پچھتاوے کا سبب بن جائے، آقا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”جب تک خواب دیکھنے والا اسے کسی کے سامنے بیان نہ کر دے، اس کی حیثیت ایسی ہوتی ہے گویا وہ پرندے کے پاؤں کے ساتھ معلق ہے، جب وہ اسے بیان کر دے گا تو وہ واقع ہو جائے گا لہذا خواب صرف ایسے شخص کے سامنے بیان کرو جو عاقل، خیر خواہ اور تمہارا محبت ہو۔“ (۵) (۱۳)

۳..... جہاں تک ممکن ہو کسی ایسے انسان کے سامنے نعمت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جس کی طرف سے حسد اور مخالفت چال چلنے کا خطرہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”اپنی ضروریات اور مقاصد کو تکمیل تک پہنچانے میں انشاء سے مدد لو کیونکہ ہر صاحب نعمت سے حسد کیا ہی جاتا ہے۔“ (۵) (۱۵)

۴..... کسی کے شر سے بچانے کے لیے اپنے مسلمان بھائی اور عزیز کو اس کے بارے میں خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔ (۵)

۵..... والد اپنی اولاد کی مادی اور روحانی ترقی سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تمنا ہوتی ہے کہ میری اولاد کو اللہ مجھ سے بھی زیادہ نواز دے، جبکہ بھائیوں کے جذبات اپنے بھائی کے بارے میں ایسے نہیں ہوتے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر جان لیا تھا کہ یوسف کو ایسی عزت اور مقام ملے گا جو مجھے بھی نہ مل سکا اور یہ جان کر انہیں خوشی ہوئی تھی۔ (۵)

۶..... برادران یوسف کے بارے میں بحث ہوئی ہے کہ وہ انبیاء تھے یا نہیں، بظاہر اس قفسے

{۱۳} (ترمذی ۲، ابواب الرقیب/۵۳، ابوداؤد ۲، کتاب الادب/۳۳)

{۱۵} (طبرانی وہبہنی بحوالہ منیر ۲۰۹/۱۲)

سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ انبیاء نہیں تھے کیونکہ انبیاء نہ کسی سے حسد کرتے ہیں، نہ اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، نہ ہی کسی مومن کے قتل کے لیے مشورہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں جبکہ برادران یوسف نے یہ سب کچھ کیا۔

۷..... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت دین و شریعت کی نعمت ہے، اس کے مقابلے میں سب نعمتیں ناقص ہیں اور اس نعمت کا کمال اور آخری درجہ نبوت ہے۔ (۳۶)

۸..... خواب سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تین درجات کی بشارت سنائی، اجتباء، تاویل احادیث اور اتمام نعمت یعنی اللہ کی جانب سے انتخاب، حقائق تک رسائی اور نبوت۔ (۶)

۹..... معاملات، مسائل، واقعات، اختلافات، شخصیات، نظریات اور باتوں کی حقیقت تک رسائی اللہ کی خاص دین ہے، اللہ سے اس کی دعا مانگنی چاہیے۔

## برادران یوسف کی مشاورت

﴿.....۱۰﴾

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ قَالَ الْيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيَّ

البتہ ہیں یوسف کے قصے میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پونچنے والوں کے لیے ۵ جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے  
إَيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ آبَاءَنَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِفْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ

ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں، البتہ ہمارا باپ مرتا خطا پر ہے ۵ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ غافل رہے  
أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ

تم پر توجہ تمہارے باپ کی اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ ۵ بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو  
لَا تَسْكُرُوا يُّوسُفَ وَالْقَوْسَةَ فِي غَيْبَتِ الْبُرْتِ يَلْتَمِطُهَا بَعْضُ السَّيَّارَاتِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝

یوسف کو اور ڈال دو اس کو ہم نام کنوئیں میں کہ اٹھالے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرتا ہے ۵

تسہیل: بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں O جب انہوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کے بھائی سے ہم سے زیادہ پیار ہے حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد کھلی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں O اس کا حل یہ ہے کہ یوسف کو قتل کر دیا اسے کہیں دور پھینک آؤ، جب وہ نہیں رہے گا تو تمہارے والد کی ساری توجہ تمہاری ہی طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک بن جاؤ O ان میں سے ایک کہنے والے نے مشورہ دیا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، البتہ اگر تم کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ کر ہی چکے ہو تو اسے کسی کنویں کی تہ میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا مسافر اسے نکال لے جائے گا O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۷﴾..... قرآن کریم کے اوصاف اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب بیان کرنے کے بعد ”احسن القصص“ کا آغاز ہو رہا ہے، ابتداء ہی میں بتا دیا گیا کہ جو لوگ اس قصہ کے بارے میں سوال کر رہے تھے ان کے لیے اس میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں، یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری تھی تاکہ تقدیر کے عجائب اور انسانی فطرت کے مخفی گوشوں کو ظاہر کرنے والے اس قصے کو سننے والے ایک دلچسپ کہانی یا افسانے کے طور پر نہ سہیں بلکہ ان کی توجہ ان مواعظ اور نشانیوں کی طرف مبذول رہے جو اس کے دامن میں پوشیدہ ہیں، اس سورت کے مضامین سے صرف ان لوگوں کی تسکین نہیں ہوتی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے مدوجزر کے بارے میں جاننا چاہتے تھے بلکہ یہ سورت ان لوگوں کے سوالات کے جواب بھی دیتی ہے جو مکہ میں حق اور باطل کے درمیان برپا کشمکش کے نتائج کے بارے میں تذبذب کا شکار تھے،

مکہ اور گرد و پیش میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر بظاہر یہ ناممکن دکھائی دیتا تھا کہ باطل کے ظہور و سرداروں کو ایک نہ ایک دن حق کے پرچم بردار کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا مگر اس سورت نے بتا دیا کہ ایسا ہونا یقینی ہے، بعد کے حالات نے اس پر سر تصدیق ثبت کر دی۔

## یعقوب علیہ السلام کی محبت

﴿۸﴾..... گیارہ بھائیوں میں سے ایک یعنی بن یامین یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے باقی دس علاتی بھائی تھے یعنی والد تو سب کا ایک تھا مگر والدہ ان دونوں کی الگ تھی اور وہ انتقال کر چکی تھیں، یہ دونوں اپنے علاتی بھائیوں سے چھوٹے تھے، ان دو وجوہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام دونوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ آپ کو اپنے بچوں میں سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

”سب سے چھوٹا جب تک بڑا نہ ہو جائے، بیمار جب تک شفا یاب نہ ہو جائے اور

غائب جب تک میری نظروں کے سامنے نہ آجائے۔“ {۱۰۶}

حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت فطرت اور انسانیت کا تقاضا تھی، پھر یوسف علیہ السلام کو اللہ نے سیرت اور صورت کا جو حسن اور ظاہری اور باطنی کمالات عطا کیے تھے انہیں دیکھ کر اجنبی کا دل بھی موم ہو جاتا تھا جبکہ یعقوب علیہ السلام تو حقیقی والد تھے، وہ کیوں نہ متاثر ہوتے، بھائیوں کے دل میں یہ محبت کھلنے لگی، وہ کہتے تھے کہ اس صحرائی اور قبائلی زندگی میں کام آنے والے تو ہم ہیں، ہمارا ایک طاقتور جتنا ہے جو بوقتِ ضرورت کام آسکتا ہے، یہ دونوں چھوٹے بچے کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن ہمارے باپ کا حال یہ ہے کہ



اسے یوسف اور اس کے بھائی بن یامین سے زیادہ محبت ہے۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت قلبی میلان تک محدود ہوگی، باقی رہے خوردونوش اور کپڑے لٹے کے معاملات تو ان میں آپ اپنی ساری اولاد کے درمیان مساوات ملحوظ رکھتے ہوں گے کیونکہ اولاد کے درمیان عدل کرنا واجب ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿فَاتقوا الله، واعدلوا بين أولادكم﴾ {۱۷} "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔"

اللہ کے نبی کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کرے۔

برادرانِ یوسف کا فیصلہ:

﴿۹﴾..... مشاورت کے بعد بھائی اس نتیجے پر پہنچے کہ یوسف کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ ہمیں والد بزرگوار کی خصوصی محبت اور توجہ حاصل ہو لہذا یوسف کے قتلے کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے، یا تو اسے قتل کر دیا کسی دور دراز جگہ میں پھینک دو جہاں سے یہ واپس نہ آسکیں، جب وہ نہ رہیں گے تو والدین کی ساری توجہات اور شفقتوں کے تنہا ہم ہی حقدار رہ جائیں گے۔

﴿قَوْمًا طٰغِيّٰنًا﴾ چونکہ مسلمان تھے اس لیے ضمیر نے چٹکی لی، ارے سوچو! تو سہی کیا کرنے جا رہے ہو؟ جو تدبیر انہوں نے سوچی تھی اس میں صرف ایک گناہ کا ارتکاب نہ تھا بلکہ یہ تدبیر قطع رحمی، والدین کی نافرمانی، چھوٹے بھائی پر ظلم، بوڑھے

{۱۷} (بخاری ۱، کتاب الہجۃ وفضلہا والتحریر علیہا/۳۵۲، مسلم ۲، کتاب لہبات/۳۷، "الامنی" بدل "ین")

والدین اور اولاد کے درمیان جدائی جیسے کئی گناہوں کا مجموعہ تھی انہوں نے یہ کہہ کر ضمیر کو تسلی دی کہ ہم جرم کر لینے کے بعد توبہ کر کے نیک بن جائیں گے، یہی نفسیات ہوتی ہے ان لوگوں کی جو برائیوں کے ارتکاب کے ساتھ اللہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے۔

بعض مفسرین نے اس جملے کے معنی یہ کیے ہیں کہ: ”یوسف کے بعد ہمارے سارے کام ٹھیک ہو جائیں گے کیونکہ پدر بزرگوار کا دستِ شفقت یوسف سے مایوس ہو کر ہمارے ہی سروں پر سایہ فگن ہوگا۔“ {۱۸}

﴿۱۰﴾..... بڑا بھائی جس کا نام یہوذا تھا، اس نے مشورہ دیا کہ قتل نہ کرنا کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، قتل کے بجائے یوسف کو آبادی سے دور کسی گمنام کنویں میں ڈال دو، کوئی راہ چلتا مسافر یا قافلہ اسے کنویں سے نکال کر لے جائے گا، اس صورت میں ہمارا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور خونِ ناحق سے ہاتھ رتکین بھی نہیں کرنے پڑیں گے، گویا سانپ بھی مر جائے گا اور لاشی بھی نہ ٹوٹے گی۔

تورات میں مشورہ دینے والے بھائی کا نام ردوین آیا ہے۔ {۱۹}

حکمت و ہدایت:

۱..... قرآن قصوں کہانیوں کی کتاب نہیں، یہ کتاب ہدایت ہے، اس کے قصص میں

بھی شمار ہدایات اور اسباق پوشیدہ ہیں۔ (۷)

۲..... حسد بدترین بیماری ہے، اچھے اچھے لوگوں کو راہِ اعتدال سے ہٹا کر افراط و تفریط

میں مبتلا کر دیتی ہے حتیٰ کہ حاسد کے لیے قتل جیسے گناہ کا ارتکاب بھی آسان

ہو جاتا ہے۔ (۸)

{۱۸} (تفسیر عثمانی / ۳۰۶ - دارالتصنیف)

{۱۹} ”ردوین بن کراس کو ان کے ہاتھوں سے پجانے کے لیے بولا کہ ہم اسے قتل نہ کریں۔“ (عہدِ عتیق،

تکوین باب ۳۷: ۲۱ / ص ۴۶)

۳..... اولاد میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا بغض و حسد پیدا کرتا ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جام معاملات میں نہیں صرف محبت میں دو چھوٹے بیٹوں کو ترجیح دیتے تھے اور یہ کوئی گناہ نہیں اس لیے کہ قلبی محبت کی کمی بیشی پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ (۸)

۴..... شیطان بعض اوقات انسان کو توبہ کی امید دلا کر گناہ پر آمادہ کر لیتا ہے حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ توبہ کی توفیق ملنے تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ (۸)

لقطہ کا شرعی حکم:

۵..... ان آیات کے ضمن میں علماء نے ”لقطہ“ کے مسائل بھی بیان کیے ہیں، لقطہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کو راستے میں گری پڑی مل جائے، جیسے یہوذا نے مشورہ دیا تھا کہ اسے کنویں میں ڈال دو کوئی مسافر اسے اٹھالے گا، تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ یوسف کو لقطہ سمجھ کر اٹھالے گا، اصطلاح کے اعتبار سے اس قسم کے لواوارث بچے کو لقیط اور عام اشیاء کو ”لقطہ“ کہا جاتا ہے۔

لقطہ کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ اگر وہ بالکل ہی معمولی یا جلد خراب ہونے والی چیز ہو تو اسے اٹھانے اور استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً کسی پھل یا کھجور کا ایک آدھ دانہ، اور اگر اس کی قیمت دس درہم یا اس سے زائد ہو تو اس کے اٹھانے والے پر لازم ہے کہ کامل ایک سال تک اس کا اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کے حوالے کر دے اور اگر ایک سال اعلان کے بعد اٹھانے والے نے اسے استعمال کر لیا یا صدقہ کر دیا تو مالک کو اختیار ہے، چاہے تو اس کی قیمت اٹھانے والے سے وصول کر لے یا اسے معاف کر دے۔ واضح رہے کہ دس درہم کا وزن دو تولے ساڑھے سات ماٹھے چاندی کے برابر

ہوتا ہے تو آج کے حساب سے اس کی قیمت معلوم کر لینی چاہیے۔

مقررہ مدت تک اعلان کرنے کے بعد کیا اٹھانے والا اس گمشدہ چیز کا مالک ہو سکتا ہے؟ احناف کہتے ہیں کہ اگر وہ مالدار ہے تو نہ وہ مالک بن سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ اسے چاہیے کہ وہ فقراء اور مساکین میں بطور صدقہ تقسیم کر دے البتہ اگر وہ خود غریب ہو تو صدقے کے طور پر اسے اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے، احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ”لفظ“ اٹھانے والا امیر ہو یا غریب وہ لفظ کا مالک بن جاتا ہے لیکن اگر مستقبل میں کبھی بھی اس کا اصل مالک آ گیا تو اسے اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ (۲۰)

## برادرانِ یوسف کی سازش

﴿.....۱۸﴾

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنصِحُونَ ﴿۱۸﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزُودْ  
بولے اے باپ! کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر؟ اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ ﴿۱۸﴾ سچ اس کو ہمارے ساتھ مل کر  
وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿۱۹﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنَّ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ  
خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں۔ ﴿۱۹﴾ بولا مجھ کو تم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے  
الذئبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿۲۰﴾ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذَّيْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ  
کہ کھا جائے اس کو بھیڑا اور تم اس سے بے خبر ہو۔ ﴿۲۰﴾ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑا اور ہم ایک جماعت ہیں تو تو تو ہم  
إِنَّا إِذَا الْخِسْرُونَ ﴿۲۱﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوا فِي غَيْبَتِ الْبَيْتِ  
نے سب کچھ گنوا دیا۔ ﴿۲۱﴾ پھر جب لے کر چلے اس کو اور متنقن ہوئے کہ ڈالیں اس کو گنہگار کنوئیں میں اور ہم نے  
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۲﴾ وَجَاءَهُمْ آيَاتُهُ  
اشارہ کر دیا اس کو کہ تو جنمے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے۔ ﴿۲۲﴾ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا

عَسَاءَ يَهْتَكُونَ ۖ قَالُوا يَا بَانَا إِيَّاكَ دَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتْلَعِنَا

پڑے روئے ہوئے ۞ کہنے لگے اے باپ! ہم لگے دوڑنے آگے لگنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس بھر اس کو  
فَاكَلَهُ الذِّمْبُ وَمَا أَنْتَ بِبُؤْسٍ مِنْ كُنَّا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءَهُ وَعَلَى قَمِيصِهِ

کھا گیا بھینڑیا اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں ۞ اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ، بولا یہ  
يَدِيرُ كَذِبًا قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبِّرْْ جَبِيلًا ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے جہوں نے ایک بات، اب مبرئی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر

عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝

جو تم ظاہر کرتے ہو ۞

تسہیل: یا ہم مشورہ کے بعد سارے بھائی اپنے والد کے پاس آئے اور ان سے کہنے  
لگے، ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے اور  
اسے اکیلے ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟ حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں ۞  
کل ہمارا تفریح کے لیے جنگل جانے کا پروگرام ہے، آپ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ  
جانے دیں تاکہ یہ وہاں کھاپی کر اور کھیل کود کر خوش ہو اور ہم اس کی حفاظت کی پوری  
ذمہ داری لیتے ہیں ۞ یعقوب علیہ السلام نے کہا، تمہارے لے جانے کے بعد مجھے  
اس کی جدائی کا غم پریشان کرتا رہے گا اور یہ اندیشہ ستاتا رہے گا کہ کہیں تمہاری غفلت  
میں اسے کوئی بھینڑیا نہ کھا جائے ۞ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارے جیسے طاقتور  
جھے کی موجودگی میں اسے کوئی بھینڑیا کھا جائے تو ہمارے جیسا نکمٹا اور نامراد کون  
ہوگا ۞ پھر جب یعقوب علیہ السلام کی اجازت کے بعد وہ یوسف کو جنگل میں لے گئے  
اور انہوں نے متفقہ فیصلے کے بعد اسے کنویں میں ڈال ہی دیا تو ہم نے یوسف پر وحی  
بھیجی کہ مایوس اور پریشان نہ ہونا، ایک وقت ایسا آئے گا جب تم انہیں ان کی کارستانی  
کے بارے میں بتاؤ گے اور انہیں تو خبر ہی نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے ۞ یہ حرکت

کرنے کے بعد وہ رات کے وقت اپنے والد کے پاس روتے ہوئے آئے اور بولے، ابا جان! ہم دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے اور یوسف کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا، ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا اگرچہ ہم سچے ہوں اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لے آئے، یعقوب علیہ السلام نے یہ داستان سن کر کہا، اس میں حقیقت کچھ نہیں، یہ سب تمہاری من گھڑت کہانی ہے، اب صبر ہی بہتر ہے اور تم جو کچھ بیان کر رہے ہو میں اس پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں

(تفسیر)

﴿۱۱﴾..... برادرانِ یوسف آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زوردار انداز میں یوسف کے لیے اپنی محبت اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔

﴿۱۲﴾..... پھر ان کے سامنے یوسف کی پنک کا پروگرام پیش کیا کہ کل اسے جنگل میں ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، وہاں یہ پھل بھی کھائے گا اور کھیل کود سے اس کی جسمانی ورزش بھی ہوگی۔ خود تو وہ موسیٰ چرانے کے لیے جاتے ہی تھے اب یوسف کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے، بدویانہ زندگی میں جی بہلانے کے مختلف طریقوں میں پنک کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، شعرائے جاہلیت کے قصائد میں اس کا ذکر کثرت سے ملتا ہے، تمدنی ترقیات اور شہری سہولیات کی فراوانی کے باوجود آج بھی عربوں میں صحراؤں اور پہاڑوں میں خیمہ زن ہو کر پنک کا خاصا رواج ہے۔

تورات کہتی ہے کہ برادرانِ یوسف اپنے موسیٰ چرانے کے لیے ”شکم“ کی

طرف گئے ہوئے تھے، ان کے پیچھے خود یعقوب علیہ السلام نے یوسف کو روانہ کیا تھا۔ {۲۱} مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے حسد کا حال جانتے ہوئے یوسف کو اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں روانہ کریں، اس حوالے سے قرآن ہی کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا منصوبہ بھائیوں نے خود ہی بنایا تھا بلکہ ان کے اندازِ کلام سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ وہ پہلے بھی اس قسم کی کوشش کر چکے تھے، کیونکہ انہوں نے شکوہ کے انداز میں اپنے والد سے کہا تھا کہ ”کیا وجہ ہے آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے؟“ ”یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آیا ہوگا جس سے انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہمیں شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔“  
حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ:

﴿۱۳﴾..... باپ نے کہا، تمہارے لے جانے کی صورت میں ایک تو مجھے اس کی جدائی کا غم ہوگا، دوسرے یہ اندیشہ پریشان کرتا رہے گا کہ اسے کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے، اس لیے کہ جنگل میں بھیڑیے کثرت سے ہیں، انبیاء اپنی خصوصیات اور کمالات کے باوجود انسان ہی ہوتے ہیں اور وہ عوارض اور حالات جو انسانوں پر آتے ہیں وہ ان پر بھی آتے ہیں، حزن اور خوف، غصہ اور محبت، بیماری اور بھوک، تھکاوٹ اور نیند یہ سب طبعی عوارض ہیں، نہ یہ نبوت کے متافی ہیں نہ ولایت کے، اس لیے کسی کے ذہن میں یہ اشکال نہیں آنا چاہیے کہ شرفِ نبوت سے سرفراز ہونے کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ غم اور اندیشہ کیوں کر لاحق ہوا؟

یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لڑکوں نے باپ کے منہ سے بات پکڑ لی، جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہی واقعہ بنا کر لے آئے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لڑکوں نے

{۲۱} ”اور اس کے ہمائی اپنے باپ کے گلے جاملے کے لیے ظلم کو محسوس کیا، جب اسرائیل نے یوسف سے کہا.....“  
۱۲ میں تجھے ان کے پاس بھیجوں۔“ (عہدِ عتیق، تکوین باب ۳۷: ۱۲-۱۳/۳۵)

کل جو افسانہ تراشنا تھا اللہ نے آج ہی اپنے پیغمبر کی زبان سے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔

﴿۱۴﴾..... لڑکوں نے کہا، ”اگر ہمارے جیسی جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گئے گزرے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ نومند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے، ایسا ہوتا کہنا چاہیے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔ {۲۲}

﴿۱۵﴾..... بسا اوقات قرآن ایسی جزئیات ذکر نہیں کرتا جن کا ادراک سیاق و سباق میں غور کرنے سے خود بخود ہو جائے، جیسے یہاں قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ بیٹوں کی پُر فریب یقین دہانی کے جواب میں باپ نے کیا کہا، مگر اسلوب بتا رہا ہے کہ ان کی یقین دہانی کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بادل نحواستہ ان کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کو جنگل میں لے جا کر ایک ویران کنویں میں ڈال دیا اور یوں اپنے خیال میں ہمیشہ کے لیے اس سے جان چھڑالی۔

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ وہ اللہ جو مخلوق کے ہر حال سے باخبر ہے، جس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور جو تنگی کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے، اس نے یوسف کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ حالات ایک سے نہیں رہیں گے، گمنامی کے اندھیروں میں ضائع ہو جانا تمہارا مقدر نہیں، تمہیں وہ منصب عطا کیا جائے گا جہاں قاتل ہونے کے بعد تم اپنے بھائیوں کو ان کی کارستانیوں کی بابت بتاؤ گے۔

﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ وہ پہچان ہی نہ سکیں گے کہ تم یوسف



ہو، کیونکہ وہ تو اپنے خیال میں یوسف کا قصہ تمام کر چکے، اور یہ معنی بھی صحیح ہے کہ آج انہیں خبر ہی نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ یہ اپنی تدبیریں کر رہے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا ہے۔

جھوٹے آنسو:

﴿۱۶﴾..... برادرانِ یوسف رات گئے روتے ہوئے اپنے والد کے پاس آئے، یا تو مسافت زیادہ ہوگی جس کی وجہ سے دیر ہوگئی یا جان بوجھ کر اندھیرا چھا جانے کے بعد گھر میں داخل ہوئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو منہ دکھانا مشکل تھا۔  
امام اعمش نے خوب فرمایا کہ برادرانِ یوسف کا گریہ و پکار سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اشکبار سے سچا نہیں کہہ سکتے۔

﴿۱۷﴾..... انسان کی طبیعت ہے کہ ایک جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے کئی جرائم کرتا ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ ایک گناہ انسان کو دوسرے گناہ تک لے جاتا ہے، باپ اور اس کے محبوب بیٹے کے درمیان جدائی کے لیے جو کچھ برادرانِ یوسف کر آئے تھے، اس پر پردہ ڈالنے کے لیے انہوں نے ایک فرضی کہانی گھڑ لی، اپنے والد کی زبان سے بھیڑیے کے کھا جانے کا اندیشہ تو وہ سن ہی چکے تھے، انہوں نے اسی کو اپنی کہانی کی بنیاد بنا لیا، مگر چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق انہوں نے خود ہی محسوس کر لیا کہ ہماری بات میں وزن نہیں، اس لیے کہانی سنانے کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا اگرچہ ہم سچے ہیں۔

مقام نبوت کا احترام:

﴿۱۸﴾..... کہانی میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے کسی جانور کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر لگا کر لے آئے، بعض روایات میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے قمیص

دیکھ کر استہزاء کے طور پر فرمایا:

﴿مَا احلمک يا ذنب تا بکل ابني  
ولا تشق قميصه﴾ (۲۲)  
”او بیٹھے! تو کتنا ماہر اور عقلمند تھا، میرے  
بیٹے کو تو کھا گیا مگر اس کی قمیص کو پھٹنے نہ دیا۔“  
تورات میں ہے:

”پھر انہوں نے یوسف کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر  
کیا اور انہوں نے اسے بوقلموں قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم  
نے اسے پایا، آپ اسے پہچانیے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں اور اس نے اسے  
پہچانا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا، یوسف بے شک  
پھاڑا گیا۔“ (۲۳)

تورات کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ نے بیٹوں کے اس افسانے کو  
تسلیم کر لیا مگر قرآن اس کی تردید کرتا ہے، شاید قرآن نے خون اور قمیص کا ذکر اسی لیے  
کیا ہے تاکہ اس افسانے کا کھوکھلا ہونا ثابت کر دے جسے سن کر ایک عام آدمی بھی اس  
کے من گھڑت ہونے کو جان لیتا ہے چہ جائیکہ اللہ کا نبی جو کہ ذہانت و فراست میں عام  
انسانوں سے بہت آگے ہوتا ہے۔

﴿بَلْ مَوَلَاتٍ لِّمَا اتَّخَذَ امْرَاةً﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص دیکھ کر اور  
کہانی سن کر فرمایا: ”یہ تمہاری من گھڑت کہانی ہے۔“ حقیقت جان لینے کے  
باوجود میں صبر کروں گا، نہ تو ہائے داویلا کروں گا اور نہ تم سے انتقام لوں گا، ایک  
طرف قرآن ہے جو یعقوب علیہ السلام کو صبر و استقامت کے ایک مثالی پیکر کے طور

{۲۲} (منیر ۱۲/۲۲۳، کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۳۳۱..... کبیر میں الفاظ ذرا

مختلف ہیں مفہوم یہی ہے۔ م۔ ا۔ ش)

{۲۳} (عہد عتیق، تکوین باب ۳۷: ۳۱-۳۳/ص ۳۶)

پر پیش کرتا ہے، دوسری طرف تورات اور تلمود ہے جو انہیں اس موقع پر وہ کچھ کرتے دکھاتی ہے جو شاید غیر نبی مگر صابر و شاکر اور نیک انسان بھی نہ کرے۔

”تب یعقوب نے اپنا پیرا ہن چاک کیا اور ناٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔“ {۲۵}

کون کہتا ہے قرآن کے مضامین بائبل سے چرائے گئے ہیں؟ کتنے ہی داغ دھبے ہیں جو بائبل نے انبیاء کے پاک صاف دامن پر لگائے تھے اور قرآن نے بڑی مہارت سے انہیں صاف کر دیا، آپ ذرا ”سَوَّلْتُ لَكُمْ الْقُرْآنَ حَرَامًا“ پر غور کیجیے، ہم نے اگرچہ با محاورہ ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ ”یہ تمہاری من گھڑت کہانی ہے“ وگرنہ اس جملے کا لفظی ترجمہ یہ ہے ”تمہارے لیے تمہارے جی نے ایک بات بنا دی ہے“ یعنی تم نفس کے دام میں پھنس گئے ہو اور اس نے لیک من گھڑت بات کو تمہارے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے، صاف صاف یہ نہیں کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، نفرت کے بجائے ہمدردی کا اظہار ہے کہ نفس کے بہکاوے میں آجانے کی وجہ سے تم قابلِ رحم ہو۔

غور فرمائیے! قرآن اللہ کے نبی کو کتنے اونچے مقام پر فائز دکھاتا ہے، جو کھلی زیادتی کرنے والوں کے سامنے ان کی زیادتی کی نشاندہی کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو ان کے جرم کو نہیں بلکہ عذر کو نمایاں کرتے ہیں۔

﴿فَصَدَّقَ بَيْنَهُ﴾ اس کا معنی دو طرح سے کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے، دوسرا یہ کہ صبر جمیل افضل ہے غیر صبر سے، صبر جمیل اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں نہ شکوہ اور ہائے واویلا ہو اور نہ ہی جذبہ انتقام اور مالکِ حقیقی پر اعتراض ہو بلکہ اللہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر رضا کا جذبہ دل میں

پایا جاتا ہو {۲۶} اور یہ یقین ہو کہ اس حادثہ میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔  
حکمت و ہدایت:

۱..... دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گھڑ لینا، سخن سازی کی مشق کر لینا، بناوٹی زندگی اختیار کر لینا، فطرتِ بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ (۱۱)

۲..... مومن بھولا بھالا اور کریم ہوتا ہے، جیسے وہ خود جھوٹ اور فریب سے بچتا ہے دوسروں کے بارے میں بھی یہی گمان رکھتا ہے، چنانچہ وہ ایسے لوگوں کی بات پر یقین کر لیتا ہے جو اس کے سامنے قسم کھا کر کوئی دعویٰ کریں۔ (۱۱)

۳..... پلنگ، تفریح اور کھیل کود میں اگر کوئی جزءِ معصیت کا نہ ہو تو جائز ہے {۲۷} محبت کرنے والے والدین اپنی اولاد کو ان کے مواقع فراہم کرتے رہتے ہیں۔ (۱۲)

۴..... خوف اور حزن طبعی امور میں سے ہیں، نہ مقامِ ولایت کے منافی ہیں نہ مقامِ نبوت کے، سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنے لختِ جگر کی موت پر فرمایا تھا:

”انا بفرقک یا ابراہیم لمحزون“ {۲۸} ”اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔“ (۱۳)

۵..... انسانوں کو بھیڑیوں کے کھا جانے کے خطرناک واقعات جنگلات میں پیش آتے رہتے ہیں۔ (۱۳) لہذا چھوٹے بچوں کو کسی بااعتماد اور باہمت سرپرست کے بغیر جنگل میں نہیں بھیجنا چاہیے۔

۶..... ایسے مومن سے بھی کبیرہ گناہ ہو سکتا ہے جسے مستقبل میں اعلیٰ مقام ملنے والا ہو، برادرانِ یوسف نے بھی ارتکابِ جرم کے بعد توبہ کر لی تھی۔ (۱۵) اور پھر مقام

{۲۶} ومعناه الذی لا شکوی فیہ الی الخلق (کشفات ۴۲۶/۲) وقال مجاهد: فصر جمیل، ای من غیر جزع (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۳۳۱) {۲۷} (ماجدی ۵۸۳/۲) {۲۸} (بخاری ۱، کتاب الجنائز/۱۷۴)

ولایت تک پہنچ گئے تھے۔

۷..... اللہ کی رحمت اپنے نیکو کار بندوں کے بہت قریب ہوتی ہے، وہ انہیں بے یار و مددگار

نہیں چھوڑتا، سخت آزمائشوں میں انہیں ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ (۱۵)

۸..... ظالم رات کے اندھیرے میں مظلوم کا سامنا کرنے میں آسانی محسوس کرتا ہے۔ (۱۶)

عربی محاورہ ہے "العین تستحیی من العین" (آنکھ، آنکھ سے شرماتی ہے۔)

۹..... ہر آنکھ سے بننے والے آنسو سچائی کی دلیل نہیں ہوتے۔ (۱۶)

۱۰..... تلوار زنی، نیزہ بازی، گھوڑ دوڑ اور پیدل چلنے کے مقابلے میں حصہ لینا جائز ہے

بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز امر نہ ہو، مثلاً جوا، مخلوط ریس اور عریانی وغیرہ۔ (۱۷)

ہمارے آقا ﷺ نے پیدل بھی اور سواری پر سوار ہو کر بھی مقابلے میں حصہ لیا تھا۔ دو

مواقع پر تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی دوڑ لگائی تھی۔ (۲۹)

۱۱..... علامہ ماوروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا ذکر تین

وجہ سے آیا ہے، ایک تو اس لیے کہ اس پر جھوٹا خون لگایا گیا، دوسرے اس لیے کہ

عزیمصر کی بیوی نے اسے پیچھے سے پھاڑ دیا تھا، تیسرے اس لیے کہ اسے

حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا گیا تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔

۱۲..... فقہاء قمیص کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقہی مسائل میں

مثلاً قاتل کی تلاش اور قسامت کے لیے قرآن پر اعتماد کرنا جائز ہے، حضرت

یعقوب علیہ السلام نے قمیص کے آلودہ ہونے کے باوجود اس کے پھٹن سے

محفوظ رہنے سے اپنے بیٹوں کی دروغ گوئی پر استدلال کیا تھا۔

۱۳..... ظلم، جھوٹ اور مصیبت کے مقابلے میں صبر کرنے سے تنگی کے بعد آسانی اور غم

کے بعد خوشی مینتر آتی ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی خرید و فروخت

﴿۱۹.....۲۲﴾

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوًا قَالَ لِبِشْرِ هَذَا خَلْمٌ وَأَسْرُوكَ

اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھرنے والا، اس نے لٹکایا اپنا ڈول، کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا اور چھاپا  
بِضَاعَةٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْكَ بِشْمِينَ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ﴿۲۰﴾

اس کو تجارت کا مال سمجھ کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿۱۹﴾ اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو کنسی کی  
وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِمَرْأَتِهِ أَكْرَمِي

چونیاں، اور ہو رہے تھے اس سے بیزار ﴿۲۱﴾ اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے  
مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ

رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کر لیں اس کو بیٹا اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں  
وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرِ النَّاسِ

اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا اور اللہ طاقتور رہتا ہے اپنے کام میں لیکن اکثر لوگ  
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ كَلَّمْنَا شَدَّاقَةَ ابْنَةَ عِمْلِقَانَ وَكُنَّا أَهْلًا بِمِصْرَ وَالشُّعْرَىٰ وَالْكَنَانَةَ

نہیں جانتے ﴿۲۲﴾ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو ﴿۲۰﴾  
تسہیل: ایک قافلہ وہاں سے گزرا، انہوں نے پانی کے لیے اپنا سقہ بھیجا، اس نے

کنویں میں ڈول ڈال کر باہر نکالا تو دیکھتے ہی پکارا اٹھا، ارے قافلے والو! خوشخبری ہو یہ  
تو ایک لڑکا ہے، انہوں نے اسے سامان تجارت سمجھ کر محفوظ کر لیا، جو کچھ وہ کر رہے تھے

اللہ اس سے پوری طرح باخبر تھا ﴿۲۱﴾ اہل کارواں نے یوسف کو بازار مصر میں حقیر سی

قیمت یعنی چند دراهم کے عوض فروخت کر دیا، اصل بات یہ ہے کہ ان کی نظر میں اس کی  
کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی ﴿۲۱﴾ اہل مصر میں سے جس نے یوسف کو خریدا، اس نے اپنی

بیوی کو تاکید کی کہ اسے عزت و راحت کے ساتھ رکھنا، ممکن ہے کہ گھریلو کام کاج کے

سلسلہ میں ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنائیں اور یوں ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں ٹھکانہ دے دیا، مقصود یہ تھا کہ ہم اسے منتخب کر لیں اور اسے باتوں کی حقیقت تک پہنچنا سکھادیں اور اللہ اپنا حکم نافذ کرنے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اور جب یوسف اپنی جسمانی اور عقلی پختگی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کر دیا اور ہم نیکوکاروں کو یونہی جزا دیا کرتے ہیں O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۱۹﴾.....حجاز کے اسماعیلی تاجروں (۳۰) کا ایک قافلہ مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا، انہوں نے اپنے سقہ کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ ان کے لیے پانی تلاش کرے اور یہ اس کے قریب پڑا ڈال سکیں، اس نے کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام رستی پکڑ کر ڈول میں بیٹھ گئے، ڈول باہر آیا تو کھینچنے والا خوشی اور تعجب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بے ساختہ پکار اٹھا: ”ارے قافلے والو! خوشخبری ہو، یہ تو ایک لڑکا ہے“ بے آباد کنویں سے بچے کا نکلنا باعث تعجب تھا ہی، حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن نے بھی سقہ کو دیوانہ سا کر دیا۔

﴿وَأَسْرَوْكَ بِالْمَتَاعِ﴾ قافلے والوں کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کا کوئی والی وارث نہ نکل آئے اور یوں ہم مفت میں حاصل ہونے والی متاع سے محروم ہو جائیں، اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کی کوشش کی اور اس ”متاع“ کی حفاظت کا بھی بڑا اہتمام کیا۔

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ تاجروں کی اپنی اسکیم تھی اور اللہ کی اپنی اسکیم تھی، تاجر خوش تھے کہ بازار مصر میں ایک غلام بیچ کر دو پیسے کمالیں گے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ بالآخر اس غلام کو مصر کا حکمران بنا دیا جائے، اللہ کو تاجروں کی اسکیم کی خبر تھی مگر تاجر

اللہ کی اسکیم سے بے خبر تھے۔

﴿۲۰﴾..... تاجروں نے مصر پہنچتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا (۳۱) انسان نے جس چیز کے حصول میں کوئی مشقت اٹھائی ہو، اس کی قدر و قیمت اس کے دل میں ہوتی ہے مگر اس غلام کی حیثیت ان کی نظر میں گری پڑی چیز سے زیادہ نہ تھی، پھر غلام بھی ایسا جو بظاہر بھگوڑا تھا، اندیشہ تھا کہ اس کے مالک اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہ پہنچ جائیں، اہل کارواں کو کیا خبر تھی کہ جس لڑکے کو وہ حقیر سی قیمت کے بدلے بازارِ مصر میں فروخت کر رہے ہیں، وہ خانوادہ نبوت کا چشم و چراغ، مستقبل میں اللہ کا نبی اور مصر کا حکمران بننے والا ہے۔

بعض حضرات نے ”وَتَسَوُّوْا“ سے مراد برادرانِ یوسف (۳۲) لیے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ادھر ادھر کہیں چھپے بیٹھے تھے، جو نبی قافلے والوں نے یوسف کو کنویں سے نکالا، فوراً وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا بھگا ہوا غلام ہے، چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے اب ہم اسے فروخت کر دینا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے یوسف کو اونے پونے میں انہی اسماعیلی تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا، بائبل کا بیان بھی یہی ہے (۳۳) مگر ہماری نظر میں پہلی توجیہ زیادہ راجح ہے۔

عزیزِ مصر کی فراست:

﴿۲۱﴾..... وہ بردہ فروشی کا زمانہ تھا، دوسرے شہروں اور ملکوں کی طرح مصر میں بھی غلاموں کی منڈی لگتی تھی، خانوادہ یعقوبی کے اس روشن چراغ کو بھی اسی منڈی میں

{۳۱} آی وباعه السیارة فی مصر بمن قلیل ناقص (المراغی ۱۲/۱۲۲)

{۳۲} الضمیر المرفوع إننا للأخوة (روح المعانی ۱۲/۳۰۷) الضمیر فی قوله ”وكانوا فیہ من الزاہدین“ عائداً الی الاخوة فكلدا فی قوله ”وشروه“ یجب ان یکون عائداً الی الاخوة (کبیر ۶، الجزء الثامن عشر/۲۳۳ وما بعدها)

{۳۳} (عہد عتیق، تکوین باب ۳: ۲۸/ص ۳۶)



فروخت کے لیے پیش کیا گیا، مصری حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا وہاں سے گزر ہوا، قرآن نے اسے ”عزیز“ کہہ کر پکارا ہے جس کا معنی ہے ”ایسا بااقتدار شخص جس کا کوئی مد مقابل نہ ہو“ بائبل میں اس کا نام ”پوطیرح“ مذکور ہے {۳۳} اور یہ کہ وہ فرعون کا ایک امیر اور فوج کا سردار تھا۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی جان لیا کہ یہ غلام نہیں بلکہ کسی بڑے خاندان کے فرزند ہیں، آپ کا چہرہ بشرہ اور نشست و برخاست بھی آپ کی طبعی شرافت اور حسب و نسب کی بلندی کی گواہی دے رہی تھی، اس لیے اس نے اپنی بیوی کو ہدایت کی کہ اس کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرنا جو مصر میں غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اس کی عزت و آبرو اور جذبات و احساسات کا خوب خیال رکھنا، شاید بڑا ہو کر یہ ہمارے کام آئے یا جب ہماری اولاد نہیں ہے تو ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین بندوں نے بڑی فراست اور دوراندیشی کا ثبوت دیا، جن میں ایک تو عزیز مصر تھا جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”یوسف کو عزت و راحت کے ساتھ رکھنا“ دوسری حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے درخواست کی تھی ”اسے ملازم رکھ لیجئے کیونکہ اچھا ملازم وہی ہوتا ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو“ {۳۵} تیسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا تھا۔ {۳۶}

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ﴾ جیسے ہم نے یوسف کو قتل ہونے اور کنوئیں کی تاریکی

{۳۴} (عہد عتیق، تکوین باب ۳۹: ۱/ص ۴۸)

{۳۵} یاہت استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین (القصص ۲۸/۲۶)

{۳۶} (روح المعانی ۷/۱۲/۳۱۱) وما بعدھا..... علامہ ابن ربیع رحمہ اللہ نے اس قول کے بارے میں اپنے تحفقات کا اظہار کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے قرطبی ۱۳۸/۹

سے بچالیا یونہی ہم نے انہیں مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں ایک ایسے گھرانے میں باعزت ٹھکانہ عطا فرمادیا جہاں رہ کر وہ بہتر انداز میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو نشوونما دے سکتے تھے، دوسری مصلحت اس میں یہ بھی تھی کہ ہم یوسف کو باتوں کی حقیقت اور خوابوں کی تعبیر میں مہارت عطا کر دینا چاہتے تھے تاکہ اس کے لیے مصر کی بادشاہی کی راہ ہموار ہو جائے۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ﴾ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اور ہر واقعہ اور سانحہ گواہی دیتا ہے کہ بہر صورت امر الہی غالب آ کر رہتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بعض حکماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ”حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ بھائیوں کے سامنے خواب بیان نہ کرنا، امر الہی غالب رہا اور یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کر دیا، بھائیوں نے چاہا کہ اپنے معصوم بھائی کو قتل کر دیں، امر الہی غالب رہا اور یوسف زندہ و سلامت رہے، بیٹوں نے مصنوعی آہ و بکا سے باپ کو دھوکا دینا چاہا، امر الہی غالب رہا اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے دھوکے میں نہ آئے۔“ {۳۷}

چونکہ انسان کا علم اور مشاہدہ محدود ہے، اس لیے وہ اللہ کے فیصلوں کی حکمت اور انجام سے بے خبر رہتا ہے، اس کی نظر صرف ظاہر میں الجھی رہتی ہے جبکہ اللہ نے باطن میں کئی راز پوشیدہ رکھے ہوتے ہیں جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿۲۲﴾..... ”جب یوسف اپنی جسمانی اور عقلی پختگی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکمت اور علم عطا کر دیا“ تمیں سے چالیس سال کے درمیانی عرصہ پر پختگی (اشد) کا

اطلاق ہوتا ہے، اس لیے کسی نے بچپن اور کسی نے تینتیس سال کی عمر کو بچپن کی عمر قرار دیا ہے {۳۸} لیکن زیادہ تر حضرات چالیس سال کی عمر مراد لیتے ہیں {۳۹} اور یہی نبوت کی عمر بتائی گئی ہے۔

﴿حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ لغت میں ”حکم“ کا لفظ فیصلہ، حکمت، حکومت اور حق و باطل میں تمیز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے {۳۰} انبیائے کرام علیہم السلام کے حوالے سے جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر حکمت کا معنی مراد لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو علم نبوت کے ساتھ قوت فیصلہ اور حق و باطل میں تمیز کی صلاحیت بھی عطا فرماتے ہیں۔

﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَا الْمُسْتَجِيبِينَ﴾ یوسف علیہ السلام ابتداء ہی سے نیکو کار تھے، سیرت و کردار میں ممتاز اور دیانت و امانت، عفت و پاکدامنی جیسی صفات سے متصف، بچپن بھی بے داغ اور جوانی بھی پاک صاف، تا کہ نبوت ملنے کے بعد کسی کو ان کے ماضی پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ مل سکے، اللہ تعالیٰ نے انہیں نیکو کاری کی جزا علم و حکمت کی صورت میں عطا فرمائی، ہر نیکو کار کو اللہ یونہی جزا دیا کرتے ہیں یعنی اس کی حیثیت اور استعداد اور اپنی مشیت کے مطابق اسے علم و حکمت سے نواز دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر نیکو کار کو منصب نبوت عطا کر دیا جاتا ہے یا یہ کہ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، ذکاوت و ذہانت اور حسن عمل کے ذریعے یہ عظیم منصب ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے، نبوت تو سراسر اللہ کا ذاتی انتخاب ہوتا ہے، اس میں انسان کی اپنی محنت اور عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ اللہ کا نبی نبوت ملنے سے پہلے بھی

{۳۸} ”ولما بلغ أشده“ قدر الأَطْبَا هذه السن بخمس وعشرين سنة۔۔۔ قال ابن عباس:

انها ثلاث وثلاثون سنة (المراغي ۱۲/۱۲۷)

{۳۹} وتماہ اربعون۔۔۔ وقال الحسن: أربعون (روح المعاني ۷، ۱۲/۳۱۴)

{۴۰} (مفردات/۱۲۶-۱۲۷)

صورت و سیرت اور کردار و عمل میں اپنے ہم عمروں میں ممتاز ہوتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱..... جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور ارادہ

سے ایسی تدبیر کرتا ہے جہاں تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ (۱۹)

۲..... خوش کن معاملہ دیکھ کر اظہارِ مسرت اور اس کا اعلان جائز ہے۔ (۱۹)

۳..... دین اور دنیا کے معاملات میں احتیاط کرنا جائز ہے۔ (۱۹)

۴..... انسان کو جو چیز محنت اور معاوضہ کے بغیر حاصل ہو جائے، اس کے دل میں اس

کی قدر نہیں ہوتی۔ (۲۰)

۵..... قیمتی چیز، حقیر قیمت کے بدلے خریدی جاسکتی ہے۔ (۲۰)

۶..... آزاد انسان کی خرید و فروخت حرام ہے اور اگر اس کا سودا کیا جا رہا ہو تو اس پر لازم

ہے کہ وہ فروخت ہونے سے انکار کر دے، لیکن کسی بڑے نقصان سے بچنے کے

لیے مصلحاً خاموشی بھی اختیار کی جاسکتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے سکوت کو

ہم اسی پر محمول کریں گے، پھر بڑی بات یہ کہ اس وقت وہ پیغمبر تو خیر تھے ہی

نہیں، نو عمر بھی تھے، علاوہ ازیں حالت بھی خوف اور ہیبت کی تھی..... اس واقعہ

سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ ضرر کے خوف سے کسی برائی پر سکوت اختیار کرنا

منافی کمال نہیں (۲۰) (۲۱)

۷..... بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ ایسی فراست و بصیرت عطا فرماتا ہے کہ وہ چہرہ دیکھ کر

ہی مخفی صلاحیتوں اور نسی اور ذاتی شرافت کا اندازہ لگا لیتے ہیں جیسے عزیر مہرنے

اندازہ لگا لیا۔ (۲۱)

۸..... قدرت اور علم ایسی نعمتیں ہیں جن سے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے، حضرت

یوسف علیہ السلام کو دونوں حاصل ہوئیں، مصر جیسے متمدن ملک میں باعزت ٹھکانہ بھی مل گیا اور ”تاویل الاحادیث“ یعنی حقائق تک رسائی کا علم بھی اللہ نے عطا فرمادیا۔ (۲۱)

۹..... اسلام میں منہ بولے بیٹے کا اب کوئی تصور نہیں، کسی کو بیٹا بنانے سے اس کے لیے بیٹے والے احکام ثابت نہیں ہوتے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اسلام کے ابتدائی زمانے میں بیٹا بنایا تھا۔

۱۰..... خوابوں کی تعبیر اور حقائق تک رسائی کا علم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔  
۱۱..... حسن جزا مشروط ہے حسن نیت اور حسن عمل سے یعنی اچھی جزا کا حقدار وہ ہوتا ہے جس کی نیت بھی اچھی ہو اور عمل بھی اچھا ہو۔ (۲۲)

## ایک اور آزمائش

﴿۲۳.....۲۹﴾

وَرَاوَدَتْهُ الْفَرِیْقَةُ مِنْ بَنَاتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ

پھسلا یا اس کو اس کی عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے دروازے اور بولی شتابی کہ، کہا خدا کی  
قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنُ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُغْلِبُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۳﴾ وَقَدْ هَمَّتْ بِهَا

پناہ! عزیز مالک ہے میرا بھی طرح رکھا ہے مجھ کو، بے شک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ بے انصاف ہوں O اور البتہ عورت نے فکر کیا  
وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأْبُوهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصَّرَفَتْ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ

اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا، اگر نہ ہو ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی یوں ہی اوانا کہ ہٹائیں ہم اس سے برائی اور بے حیالی  
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۴﴾ وَأَسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيْسِدًا هَا

البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں O اور دونوں دروازے کو اور عورت نے چیرا لاس کا کرتے پیچھے سے اور دونوں ل گئے  
لَكَ الْبَابُ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسَجِّنَ أَوْ يُعَذَّبَ أَلَيْسَ

عورت کے فائدے سے دروازے کے پاس، بول اور کچھ مز انہیں ایسے شخص کی جو چاہے میرے گھر میں برائی کرے کہ قید میں ڈالا جائے یا غلام ہو۔ دو گ O

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ كَبِيرًا ۖ فَذَمِّنْ

یوسف بولا، اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تماموں اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر  
قِيلَ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۗ وَإِن كَانَ كَبِيرًا ۖ فَذَمِّنْ دُبُرَ كَذَبَتِ

ہے کرتے اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا O اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا پیچھے سے  
وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۗ فَلَتَارًا كَبِيرًا ۖ فَذَمِّنْ دُبُرَ قَالِ إِنَّهُ مِّنْ كَيْدِ كُنْ

تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے O پھر جب دیکھا عزیز نے کرتا اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے، کہا بے شک  
إِنِّي كَيْدٌ كَبِيرٌ عَظِيمٌ ۗ يُّوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرَ لِمَا لَدُنْكَ بِإِذْنِكَ كُنْتَ  
یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ تمہارا فریب بڑا ہے O یوسف! جانے دے اس ذکر کو اور عورت! تو بخشو اپنا گناہ

مِنَ الْخَاطِئِينَ ۗ

بے شک تو ہی گناہ گار تھی O

تسہیل: جس عورت کے گھر میں یوسف رہتے تھے وہ ان پر فریفتہ ہو کر انہیں  
ورغلا نے لگی، ایک دن اس نے گھر کے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی، یوسف! بس  
آ جاؤ، یوسف نے کہا معاذ اللہ! میں یہ ظلم کیسے کر سکتا ہوں جبکہ تمہارا شوہر میرا آقا ہے،  
اس نے مجھے عزت اور راحت سے رکھا ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں  
پاسکتے O اس عورت نے تو برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا، یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر  
انہوں نے اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لی ہوتی، اس طرح ہم نے یوسف کو بچا لیا  
تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے  
تھا O اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اس نے یوسف کا کرتا  
پیچھے سے پھاڑ دیا، اچانک انہوں نے دیکھا کہ اس عورت کا شوہر دروازے کے پاس  
کھڑا ہے، وہ بول اٹھی کہ وہ شخص جو تمہاری اہلیہ کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے، اس  
کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے یا کوئی دوسری دردناک  
سزا دی جائے O یوسف نے کہا، میں نے برائی نہیں کی بلکہ اسی نے مجھے ورغلا نے کی

کوشش کی تھی، اس موقع پر اسی عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا ہے۔ جب اس کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے کہا، یہ تم عورتوں کا فریب ہے، بے شک تمہارا فریب بڑا غضب کا ہوتا ہے۔ پھر اس نے یوسف سے کہا جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤ اور اپنی بیوی سے کہا اپنے گناہ کی معافی مانگو، بے شک تم ہی خطا دار ہو۔

### ﴿تفسیر﴾

﴿۲۳﴾..... عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف پر فریفتہ ہو گئی، آپ کے بے مثال حسن و جمال نے اسے دیوانہ سا کر دیا، یوسف کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے چھوٹی موٹی حرکتیں تو معلوم اس نے کتنی کی ہوں گی، ایک دن وہ شرم و حیا کی ساری حدیں عبور کر گئی، اس نے گھر کے دروازے بند کر لیے اور یعقوب علیہ السلام کے لختِ جگر کو کھلے لفظوں میں دعوتِ گناہ دے ڈالی..... ایک اچھلتی سی نظر ترغیب اور کشش کے ان اسباب پر ڈال لیجیے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں جمع ہو گئے تھے، دعوت دینے والی عورت وہ ہے جس کے گھر میں آپ کا قیام ہے، میل ملاپ، باہم گفتگو اور خلوت کے مواقع بھی بار بار میسر آ رہے تھے، شوہر کی تاکید اپنی جگہ مگر وہ جو اپنا دل حسن کی تجلی کے سامنے ہار ہو چکی تھی، کون جانے وہ کتنی سہولتیں مہیا کرتی ہوگی اور توجہ حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کرتی ہوگی، وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی عزیز مصر کی بیوی تھی، یقیناً خود بھی دلکشی اور دلربائی کا مرقع ہوگی، کامل تنہائی کے لیے اس نے سارے دروازے بھی بند کر دیئے، نہ گھر میں کوئی فرد موجود نہ باہر سے کسی کی مداخلت کا خطرہ، دوسری طرف عین شباب کا زمانہ، تہجد کی زندگی، قوت اور شوہر کا زور، طلب نہیں مطلوبیت،

وہ بھی دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی، ان سارے زہد حشکن دواعی کے جواب میں اللہ سے ڈرنے اور محبت کرنے والے بندے نے صرف ایک لفظ کہا اور شیطانی جاں کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا، فرمایا، معاذ اللہ! یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے اللہ کی پناہ مانگنا واجب ہے، {۴۲} اور میں بھی انہی میں سے ہوں جو اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ضمیر بیدار کرنے کی کوشش:

﴿إِنَّهُ رَبِّي﴾ پہلا جواب مذہبی سوچ اور خاندانی تربیت کے مطابق تھا تو دوسرا جواب انسانی نفسیات کے اعتبار سے آپ نے دیا، جس کے ذریعہ ایسی عورت کے ضمیر اور اخلاق کو آپ نے بیدار کرنے کی کوشش فرمائی جو شہوانی جذبات میں بالکل اندھی ہو چکی تھی، آپ فرما رہے ہیں کہ حرام کاری تو ویسے بھی بہت بڑا گناہ ہے اور وہ بھی اپنے اس محسن کی بیوی کے ساتھ جس نے مجھے پردلیں میں باعزت ٹھکانہ دیا اور میرے اوپر اعتماد کرتے ہوئے سب کچھ میرے حوالے کر دیا، تو ریت میں ہے:

”لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جو رو سے کہا کہ دیکھ! میرا آقا کسی چیز سے، جو گھر میں میرے پاس ہے، واقف نہیں اور اس نے سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا، اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں۔“ {۴۳}

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ”بہت سے جاہلی مذہبوں میں زنا کاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں، البتہ حقوق شوہری میں خیانت جرم ہے، عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ نکلوا حضرت نے زلیخا کے سوائے ہونے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اضافہ کیا ہو؟ اری! تم تو شوہر دار عورت ہو، جواب کے اس جزء کو

{۴۲} وهذا اجتناب منه عليه السلام على أتم الوجوه وإشارة الى التعليل باله  
منكرهائل يجب ان يعاذبالله (روح المعاني ۷، ۱۲/۳۱۹)  
{۴۳} (عہد عتیق، پیدائش باب ۹:۳۹-۱۰/ص ۴۸)



جنہوں نے مرتبہ پیمبری سے فرد تر قرار دیا ہے، انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے، یہ جواب تو حضرت کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔“ {۲۳}

بعض حضرات نے ”انہ ربی“ کی ضمیر کا مرجع اللہ کو قرار دیتے ہوئے معنی کیا ہے ”اللہ میرا رب ہے“ لیکن سیاق و سباق اس کی تائید نہیں کرتا، ویسے بھی خوفِ خدا سے عاری اور اخروی انجام سے بے خبر عورت کے سامنے اللہ کی قدرت اور اس کے علم و سمیع کا ذکر بے فائدہ تھا، اس کے جذباتی ہیجان کو صرف اسی فقرے سے ٹھنڈا کیا جاسکتا تھا جو حضرت نے فرمایا، اس میں اگر ذرا بھی شرافت ہوتی تو وہ یہ ضرور سوچتی کہ اگر یہ اجنبی تو جوان اپنے آقا کے معمولی احسان کی وجہ سے میری دعوت کے باوجود اس سے بے وفائی کے لیے آمادہ نہیں تو مجھے اس سے کہیں زیادہ بے وفائی سے بچنا چاہیے کیونکہ میں اس کی بیوی ہوں، وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے اور اس نے مجھے اپنے گھر کی ملکہ بنا رکھا ہے۔

﴿إِنَّكُمْ لَأَنْفِلُوا الظَّالِمُونَ﴾ ہر گناہ کی طرح بدکاری بھی ظلم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتا، دنیا میں بھی رسوا ہوتا ہے اور آخرت میں بھی رسوا ہوگا۔

غیر اختیاری وسوسہ:

﴿۲۴﴾..... اس آیت کریمہ کے ابتدائی الفاظ کا ایک ترجمہ تو وہ ہے جو ہم نے ”تسہیل“ میں اختیار کیا ہے یعنی ”اس عورت نے تو برائی کا ارادہ کر ہی لیا تھا، یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر انہوں نے اپنے رب کی واضح دلیل نہ دیکھ لی ہوتی“ اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ آپ نے ”واضح دلیل“ دیکھ لی تھی اس لیے آپ کے دل میں برائی کا خیال پیدا ہی نہیں ہوا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ”بشری تقاضے کے مطابق آپ کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا تھا مگر جب انہوں نے واضح دلیل کو دیکھا اور یاد کیا تو ان کے لیے گناہ سے بچنا آسان ہو گیا“ سوال اٹھا کہ دل میں برائی کا خیال پیدا ہونا کیا مصیبتِ بڑی کے منافی

نہیں؟ جواب دیا گیا، ہرگز نہیں، غیر اختیاری و سوسہ نہ ولایت کے منافی ہے نہ منصب نبوت کے، مواخذہ صرف ان اعمال پر ہوتا ہے جن سے بچنا انسان کے اختیار میں ہو پھر بھی نہ بچے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا أَوْسَعَهَا﴾ {۳۵} ”اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کامکلف نہیں بناتا۔“

سورہ اسراء میں جناب نبی کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدَّتْ تَرُكُنَ الْيَتِيمَ﴾ {۳۶} ”اور اگر ہم آپ کو ثابت قدمی عطا نہ کرتے تو ممکن تھا کہ آپ ان کافروں کی جانب تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔“

بلکہ حدیث سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص برائی کا خیال دل میں پیدا ہو جانے کے بعد محض اللہ کے ڈر سے اسے عملی جامہ پہنانے سے باز آ جائے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

﴿قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "رسول الله ﷺ كما ارشاد به أن الله تعالى فرشتوں سے فرماتا ہے اور اس کا فرمان سچ ہے: "جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ اس ارادے پر عمل بھی کرے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرے اور اس سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھ دو، اور اگر وہ گناہ سے باز آ جائے تو اس کے لیے نیکی لکھ دو۔“﴾ {۳۷}

{۳۵} (البقرة ۲/۲۸۶)

{۳۶} (الاسراء ۱۷/۷۳)

{۳۷} (ترمذی ۲، ابواب التفسیر/۱۳۳)

﴿لَوْلَا اِنَّ ذَا بَرِّهَانَ رَبِّي﴾ جس برہان اور واضح دلیل کا اس آیت میں ذکر ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ کسی نے کہا حکیم الہی {۳۸} کسی نے مصیبت نبوت {۳۹} کسی نے تقویٰ و طہارت {۵۰} اور کسی نے کہا وہ نورِ فطرت {۵۱} مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر رکھا ہے، جو لوگ اس نور کی قدر کرتے ہیں ان کے اندر یہ نور دن بدن قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور جو اس کی قدر نہیں کرتے ان کے اندر ضعیف سے ضعیف تر، حتیٰ کہ بجھ ہی جاتا ہے، یہ سبھی مفہوم مراد لیے جاسکتے ہیں، زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقامِ نبوت یا مقامِ صِدِّیقیت مراد لیا جائے اور جسے ان میں سے کوئی بھی مقام مل جائے اسے ہمہ وقت یہ حقیقت مستحضر رہتی ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے بلکہ یہ کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، جیسا کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے احسان کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

”تم اللہ کی عبادت یوں کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، ورنہ کم از کم یہ یقین تو ضرور رکھو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔“ {۵۲}

جسے یہ مقام نصیب ہو جائے وہ برائی کے قریب بھی نہیں پہنکتا، حیا اور مراقبہ کی وجہ سے اس کے دل میں برائی سے نفرت بیٹھ جاتی ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام کو ان میں سے ایک مقام ضرور حاصل تھا۔

گناہ سے رکنے کے دو مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ نفس کے ساتھ مجاہدہ کرتے

{۳۸} اِنَّ حِجَّةَ اللّٰهِ فِي تَحْرِيمِ الزَّوْنِ..... (کبیر ۱، ۶ الجزء الثامن عشر / ۲۲۳)

{۳۹} اِنَّ النُّبُوَّةَ الْمَانِعَةَ مِنْ اِرْتِكَابِ الْفَوَاحِشِ (حوالہ مذکورہ)

{۵۰} وَالْمُرَادُ بِرُبُوَّتِهِ لَهَا كَمَالُ اِيْقَانِهِ بِهَا وَمَشَاهِدَتُهُ لَهَا وَاَصْلُهُ اِلَى مَرْتَبَةِ عَيْنِ الْيَقِيْنِ

(روح المعانی ۴، ۱۲ / ۳۲۱)

{۵۱} هُوَ بَرِّهَانَ اللّٰهِ الْمَاخُوْذَ عَلٰى الْمَكْلُفِيْنَ مِنْ وُجُوْبِ اجْتِنَابِ الْمَعَارِمِ

(التفسیر المنیر ۱۲ / ۲۲۳)

{۵۲} (بخاری ۲، کتاب التفسیر / ۶۰۳، مسلم ۱، کتاب الايمان / ۲۴)

ہوئے اللہ کے ڈر سے گناہ سے اپنے آپ کو بچا لیا جائے، یہ مرتبہ صلحاء کو حاصل ہوتا ہے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے گناہ سے نفرت محسوس ہو، یہ مرتبہ صدیقیوں اور انبیاء کو نصیب ہوتا ہے، یہی وہ ”برہان“ ہے جو اللہ کے مخصوص بندے دیکھ لیتے ہیں، اس کی برکت سے صرف انہیں برائی سے دور نہیں رکھا جاتا بلکہ برائی کو بھی ان سے دور ہٹا دیا جاتا ہے، اسی لیے تو فرمایا:

﴿كَذَلِكَ يَنْصُرُونَ فَعْنَةُ الشَّوْبِ وَالْقَمِشْلَةَ﴾ ”تا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں“

﴿۲۵﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں دروازے کی طرف دوڑے، یوسف بچاؤ کے لیے اور زلیخا گھیراؤ کے لیے، آپ کی قمیص کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آ گیا، اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا، اس کھینچتانی میں کرنا پھٹ گیا مگر آپ گناہ سے بچ گئے، دونوں بھاگتے ہوئے دروازے تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں وہاں عزیز مصر کھڑا ہے، زلیخا نے پینتر ابدلا اور مظلوم اور معصوم بننے کے لیے الزام یوسف علیہ السلام پر لگا دیا، نہ صرف الزام بلکہ سزا بھی سادی یعنی جیل یا سخت عذاب، زلیخا کا زیادہ زور بدکاری پر نہیں بلکہ ”تیری بیوی کے ساتھ بدکاری“ پر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر کی بگڑی ہوئی تہذیب میں اقدام زنا خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ شوہر کی ناموس میں خیانت اصل جرم تھا۔

﴿۲۶-۲۷﴾..... ایک انداز زلیخا کا تھا، دوسرا انداز اللہ کے منتخب بندے کا ہے، زلیخا نے کہا تھا ”اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا؟“ آپ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا ”تیری بیوی نے مجھے پھسلانا چاہا“ بلکہ عزیز مصر کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے غائب کے صیغہ سے زلیخا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس

نے مجھے پھسلانے اور بہکانے کی کوشش کی تھی۔

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ قرآن کی گواہی بالکل واضح تھی، دونوں کا دوڑتے ہانپتے دروازے تک پہنچنا، یوسف علیہ السلام کا آگے اور زلیخا کا پیچھے ہونا، پشت کی جانب سے قیص کا پھٹ جانا، یہ سب چیزیں زلیخا کی کارستانی کی گواہی دے رہی تھیں، اتفاق سے زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص نے انہی قرآن کو مدار بناتے ہوئے ایک طرح سے فیصلہ ہی کر دیا..... یہ شخص کون تھا؟ کہا گیا کہ دودھ پیتا بچہ تھا، اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: ۵

”چار بچوں کو اللہ تعالیٰ نے گوارہ میں قوت گویائی عطا فرمادی تھی یعنی فرعون کی بیوی کے بال سنوارنے والی کے بیٹے کو، یوسف کے گواہ، جریج کے صاحب اور عیسیٰ ابن مریم کو۔“ {۵۳}

بعض حضرات نے اس گواہ سے زلیخا کا چچا زاد بھائی مراد لیا ہے جو کہ عاقل و بالغ اور سمجھدار انسان تھا۔

ان دو کے علاوہ بھی متعدد اقوال تفسیروں میں منقول ہیں، مثلاً یہ کہ وہ ”گواہ“ انسان نہیں بلکہ حیوان یا جن تھا اور یہ کہ وہ انسان اور نہ ہی جن تھا بلکہ کوئی انوکھی مخلوق تھا جسے اللہ نے گواہی کے لیے پیدا کیا تھا، ان اقوال میں ان حضرات کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے جو مبہمات اور عجائبات کی تلاش میں رہتے ہیں، حیرت اس بات پر ہے کہ قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے ”اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی“ اس وضاحت کے باوجود کہا جا رہا ہے کہ وہ حیوان یا جن یا کوئی جدید مخلوق تھا۔

{۵۳} (رواہ الحاکم فی تفسیر سورة التحريم بحوالہ المراغی ۱۲/۱۳۵..... وضعتہ رجال الحدیث)

بہر حال گواہ نے یہ بات بتادی کہ بیچ اور جھوٹ کی پرکھ کے لیے یوسف کی قمیص کو دیکھا جائے، اگر قمیص آگے سے چاک ہے تو یوسف جھوٹا اور زلیخا سچی، اور اگر پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو یوسف حق پر اور زلیخا جھوٹی!

﴿۲۸﴾..... گواہ کی گواہی کے مطابق جب عزیز نے گرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا، جس سے ثابت ہو گیا کہ یوسف نے ہاتھ پائی نہ کی تھی بلکہ وہ گناہ سے بچنے کے لیے زلیخا کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہے تھے اور گرتا جو پھٹا تو زلیخا کی دست درازی کی وجہ سے! اس واضح ثبوت کو دیکھ کر عزیز بے ساختہ بول پڑا ”بے شک یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔“ ساتھ ہی اس نے عمومی انداز میں یہ بھی کہہ دیا کہ تمہارا فریب بڑے غضب کا ہوتا ہے، مردوں کے لیے ان کی حقیقت تک پہنچنا اور ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے یہاں سے استدلال کیا ہے کہ بگڑی ہوئی عورتوں کا فریب شیطان سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے کیونکہ شیطان کے فریب کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ كَوْنَهُ الشَّيْطَانُ كَانَ تَدْبِيرًا كَمُرُورِهِ﴾

”بے شک شیطان کا تدبیر کمزور ہے۔“

صُورَةُ {۵۳}

عورت کی مکاری کے لیے بعض اوقات کسی روایت کا سہارا بھی لے لیا جاتا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ساری ہی عورتوں کو مکارا اور فریب کار قرار دے دینا قطعاً غلط ہے۔

﴿۲۹﴾..... معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانے کے بعد عزیز نے یوسف سے درخواست کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا، اسے بھول جاؤ، کسی کے سامنے اس کا ذکر مت کرنا اور زلیخا سے کہا کہ

اپنے معبود سے یا یوسف سے اپنے گناہ کی معافی مانگو کیونکہ تصور تمہارا ہی تھا۔  
حکمت و ہدایت:

۱..... زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنے کے لیے تین طریقے اختیار کیے، ناز و انداز اور سخن سازی سے ورغلا نے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، دروازے بند کر لیے اور کھلے لفظوں میں دعوت دی۔ (۲۳)

۲..... حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوتِ گناہ کے جواب میں تین چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنا دفاع کیا: ☆ اللہ کی پناہ اور جسے اللہ کی پناہ حاصل ہو جائے وہ بچ ہی جاتا ہے۔ ☆ تمہارا شوہر میرا آقا اور محسن ہے۔ ☆ ظالم اور احسان ناشناس لوگ فلاح نہیں پاسکتے۔ (۲۳)

۳..... جو لوگ باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا مشاہدہ اور مراقبہ کرتے ہیں، ان کے لیے گناہ سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ (۲۳)

۴..... اللہ اپنے منتخب بندوں کی گناہوں سے خود حفاظت کرتا ہے۔ (۲۳)

۵..... اگرچہ ”ہم“ کا لفظ زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کے لیے بولا گیا ہے۔ مگر دونوں کے ”ہم“ میں بڑا فرق ہے، پہلا گناہ میں داخل ہے اور دوسرا غیر اختیاری و سوسہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے قرآن نے دونوں کو ایک لفظ میں جمع نہیں کیا بلکہ الگ الگ ذکر کیا ہے۔ (۲۳)

۶..... جس جگہ گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس جگہ کو چھوڑ دینا چاہیے جیسا یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔ (۲۵) (۵۵)

۷..... حالات کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں اپنی طاقت کے مطابق گناہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی

صورت نکل ہی آتی ہے۔ (۲۵)

۸..... جھوٹی تہمت اور الزام کی صورت میں اپنی صفائی پیش کرنا انبیاء کی سنت ہے،

ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا توکل ہرگز نہیں۔ (۲۶)

۹..... معاملات کی تہمت تک پہنچنے کے لیے علامات اور قرائن سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۱۰..... عورتوں کے فتنے سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ان کا فتنہ عظیم ہے، ایک حدیث میں

ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا:

﴿مَا أَدَعُ بَعْدِي لَفْتَنَةِ اضْرَعِ عَلِيٍّ﴾ میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں

الرجال من النساء ﴿۵۶﴾ سے بڑا فتنہ نہیں چھوڑا۔

ظاہر ہے اس سے بے حیا عورتیں ہی مراد ہو سکتی ہیں ورنہ حیا دار عورت تو گھر کی

زینت اور اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہوتی ہے، آوارہ عورت کی فتنہ گری کا حال اس

عقیقہ سے پوچھئے جو اس قسم کی عورت کی دخل اندازی کی وجہ سے شوہر سے محروم

ہوگئی ہو یا ان والدین سے پوچھئے جن کی اولاد قتل راستے پر چل کر اپنا سب کچھ

تباہ کر چکی ہو۔

۱۱..... گناہ پر پردہ ڈالنا مستحب اور اس کی اشاعت مکروہ ہے۔ (۲۹)

چند عورتوں کا فریب اور ناکامی

﴿۳۵.....۳۰﴾

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَاتُ الْعَزِيزِ شَرُّ مَا هُنَّ قُتِبْنَ

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خرابی کرتی ہے۔ اچے ظلم سے اس کے گناہ کو لے لیتے ہو گی اس کا دل اس کی

شَغَفَهَا حُبًّا إِنْكَرَ مَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِ مِنْهُمْ أَوْسَلَتْ إِلَيْهِمْ

محبت میں، ہم تو دیکھتے ہیں اس کو صریح ظلم پر ۵ مگر جب سنا اس نے ان کا فریب بلوا بھیجا ان کو اور تیار کی



وَأَعْتَدْتُ لَهُنَّ مِنْكُمْ وَآتَتْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرِجِيْنَ هُنَّ مِنْ بَنَاتِكُنَّ

ان کے واسطے ایک مجلس اور وہی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی یوسف کل آن کے سامنے پھر جب دیکھا  
رَأَيْتَهُ أَكْبَرْتَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿۳۰﴾

اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں ماشاء اللہ نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ O  
قَالَتِ قَدْ لِكِنَّ الَّذِي لَمْتَنِّي فِيهِ وَاَقْدَرَا وَاوَدَّتْهُ عَنْ نَفْسِهِمْ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن

بولی یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تھا تم نے مجھ کو اس کے واسطے اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا تھی پھر اس نے تمام رکھا اور  
كَمْ يَفْعَلُ مَا أَمْرًا لَيْسَ بِحَقِّكَ وَلِيَكُونَ مِنَ الضَّعِيفِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا

بے شک اگر نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہو گا بے عزت O یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے  
يَدُّ عُنُقِيَّ إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۲﴾

جس کی طرف مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو ناکل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عمل O  
فَأَسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۳﴾ ثُمَّ يَدُّ إِلَيْهِنَّ مُدْبِرًا

سوقول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب البتہ وہیں ہے سننے والا خبردار O پھر یوں مجھ میں آیا لوگوں کی  
مَا رَأَوْا إِلَّا آيَاتٍ يُسْجِنُهُ حَاشَىٰ حَاشَىٰ ﴿۳۴﴾

ان نشانوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت تک O

تسہیل: مصر کی چند عورتوں نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈور بے ڈال رہی ہے، اس کی محبت اس کے دل و دماغ پر چھا گئی ہے، ہمارے خیال میں تو وہ کھلی حماقت میں مبتلا ہے O جب عزیز کی بیوی نے عورتوں کی پر فریب باتیں سنیں تو انہیں پیغام بھیج کر بلوایا اور ان کے لیے خصوصی نشست گاہ تیار کی اور پھل کاٹنے کے لیے ان میں سے ہر ایک کو چھری بھی دے دی، پھر یوسف سے کہا کہ ان کے سامنے آ جاؤ، جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو بہکا بکا رہ گئیں اور انہوں نے پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہا سبحان اللہ! یہ انسان ہرگز نہیں بلکہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے O وہ بولی یہی تو ہے جس کی محبت کی وجہ سے تم مجھے ملامت کرتی تھیں، میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں

نے اسے درغلا نے کی کوشش کی تھی مگر اس نے اپنے آپ کو بچالیا اور اگر اس نے وہ کام نہ کیا جس کی دعوت میں اسے دیتی ہوں تو اسے جیل میں بھی ڈالا جائے گا اور یہ ذلیل بھی ہوگا O یہ دھمکی سن کر یوسف نے دعا کی، اے میرے رب! مجھے قیدخانہ زیادہ محبوب ہے اس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں، اور اگر آپ نے ان کے مکر و فریب سے میری حفاظت نہ فرمائی تو ممکن ہے میں ان کی طرف مائل ہو کر جا لوں جیسی حرکت کر بیٹھوں O سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور عورتوں کے مکر و فریب سے اس کی حفاظت فرمائی، بے شک وہ دعاؤں کا سننے والا اور دلوں کا حال جاننے والا ہے O یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ یوسف کو کچھ وقت کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۳۰﴾..... مصر کے بڑے گھرانوں سے تعلق رکھنے والی چند بیگمات کے ہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال اور عفت و عصمت کے ساتھ زینخا کی دیوانگی کا چرچا شروع ہو گیا اور ان کے دل میں بھی اس جوان رعنا کو دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہو گئی جس نے زینخا کے دل کا سکون چھین لیا تھا، انہوں نے بظاہر تعجب اور انکار کے لہجے میں کہا ”عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈال رہی ہے“ یعنی باوجودیکہ وہ سلطنت کے سب سے بڑے رکن کی اہلیہ اور یوسف اس کا غلام اور خادم ہے، وہ اس کے سامنے ذلیل ہو کر اسے درغلا نے اور بہکانے کی کوشش کر رہی ہے، اس کے شوہر کے علم میں بھی سارا معاملہ آچکا ہے لیکن وہ پھر بھی باز آنے کے لیے تیار نہیں۔

﴿تَسْوَاةٌ﴾ قرآن مجید میں عورتوں کا ذکر بیسویں جمع بیسویں مرتبہ آیا ہے، ہر جگہ

اس مفہوم کے لیے لفظ ”نساء“ آیا ہے، اس عام لفظ کو چھوڑ کر قرآن میں صرف دو ہی

جگہ ”نِسْوَةٌ“ آخر کیوں آیا ہے؟ (ایک تو یہی اور ”دوسری جگہ بھی اسی سیاق میں چند آیتوں کے بعد) اس سوال سے ایک عقده حل ہو جاتا ہے ”نِسْوَةٌ“ جمع تکسیر ہے، اس کو جمع قلت بھی کہتے ہیں اور یہ دلالت بھی کرتی ہے قلبِ عدد پر یعنی ایسی کہنے والیاں صرف چند ہی تھیں، جمع کثرت کے لیے لفظ ”نساء“ آتا ہے۔

گویا قرآن نے یہ لفظ لا کر خود ادھر اشارہ کر دیا کہ ان بیویوں کی تعداد کچھ ایسی بڑی نہ تھی، یہ گنتی کی چند بیویاں تھیں، بیگم کی ہم سرد، ہم چشم، چنانچہ روایتوں میں ان کی تعداد کل پانچ آتی ہے بلکہ بعض میں چار بھی۔ {۵۷}

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ ایسی محبت جو دل میں سوراخ کر کے اندر تک سرایت کر گئی ہے {۵۸} حتیٰ کہ اب اسے اپنی ذلت و عزت کی کوئی پروا نہیں، وہ بہر صورت اپنی خواہش پوری کرنا چاہتی ہے۔

﴿إِنَّمَا لَكُمْ فِي مَالِكُم مِّنْهُنَّ حِصَّةٌ﴾ ”ہمارے خیال میں وہ کھلی گمراہی اور حماقت میں مبتلا ہے۔“ ان امیر زادیوں کی بحث جائز ناجائز اور ضلالت و ہدایت کے حوالے سے نہ تھی بلکہ یہ طعن و تشنیع محض اس لیے تھی کہ زلیخا تک ہماری باتیں پہنچ جائیں اور وہ انہیں اپنے محل میں بلا کر ”نظارے“ کا موقع فراہم کرے۔  
انسان نہیں، دیوتا:

﴿۳۱﴾..... زلیخا تک ان غیبتوں اور زبان درازیوں کی خبر پہنچ گئی، کیسے نہ پہنچتی اس لعن طعن کا مقصد ہی یہ تھا، اس نے ان سب کو دعوت میں بلا بھیجا، مصر کے طبقہ امراء کے رواج کے مطابق آنے والیوں کو اونچی مسندوں پر بٹھایا گیا اور دسترخوان پر دوسری

{۵۷} وَكُنْ لِمَا رَوَى عَنْ مَعَانِلِ حَسْبَا..... وَرَوَى الْكَلْبِيُّ أَنَّهُمْ كُنْ أَرْبَعًا (روح المعانی ۳۳۹/۱۲، ۴)

{۵۸} خَرْنُ حَبِّهِ شَغَفَاتٌ قَلْبَهَا حَتَّىٰ وَصَلَ إِلَى الْفَوَادِ (كشاف ۲/۲۳۶)

چیزوں کے علاوہ چھری کانٹے بھی رکھ دیئے گئے، جب دعوت اپنے عروج پر پہنچی، گپ شب اور جملہ بازی ہو رہی تھی، چھریاں ہاتھوں میں تھیں، زلیخا نے دفعہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سامنے آنے کے لیے کہا، آپ اس انداز سے کمرے سے باہر تشریف لائے کہ آنکھیں حیا سے جھکی ہوئیں، چہرے کے ارد گرد نور کا حالہ اور ہر قدم باوقار، سامنے وہ بیٹھی ہیں جن کا فتنہ سامان حسن راہ چلتے مسافروں کے قدم روک لیتا ہے، مگر جو جلوہ ربانی کا مشاہدہ کر چکا اسے دائیں بائیں کی خبر ہی نہیں، نہ نظر اٹھی نہ زبان بہکی، حسنانِ مصر نے اس سراپائے نور کو جو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئیں، پلک جھپکنا تک یاد نہ رہا اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں پر چل گئیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی محبت کا یقین دلانے یا مرہم پٹی کے بہانے قریب تر بلانے کے لیے جان بوجھ کر ہاتھ زخمی کر لیے ہوں۔

﴿إِنَّ هَذَا الْأَمَلَكُ كَرِيمٌ﴾ مادر پدر آزاد سوسائٹی سے تعلق رکھنے والیوں نے اس سے پہلے نہ ایسا حسین دیکھا تھا اور نہ ہی ایسا عقیف اور پاکباز، جو بازارِ حسن سے گزر جائے مگر آنکھوں سے حیا کا پردہ نہ ہٹے، بے ساختہ پکار اٹھیں یہ انسان نہیں کوئی فرشتہ ہے اور وہ بھی بزرگ تر! ایک صاحب نے ترجمہ کیا ہے ”ارے یہ تو کوئی دیوتا ہے۔“ یہ ترجمہ بھی خوب ہے۔

﴿۳۲﴾..... زلیخا کو کھل کر بولنے کا موقع مل گیا، اس نے کہا، جسے دیکھ کر تم حواس باختہ ہو گئیں اور چھریوں سے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے اور جسے تم نے انسان کے بجائے آسمانی اور نورانی مخلوق سمجھا، یہی ہے وہ جس کی وجہ سے تم مجھ پر ملامت کرتی ہو، تم اسے ایک نظر دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئیں، میرے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے جو اسے ہر دن اور ہر رات اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اور حرکت و سکون میں

دیکھتی ہوں، میں اقرار کرتی ہوں کہ میں نے ہر طرح سے اس کا دل بھانے کی کوشش کی، اس کے سامنے بن سنور کر بھی آئی اور ناز و انداز سے بھی اسے رام کرنا چاہا لیکن یہ میری طرف نظر اٹھاتا ہی نہیں، محبت کا جواب محبت سے دیتا ہی نہیں، لگتا ہے اس کے دل میں کسی اور کی محبت اس طرح سما گئی ہے کہ کسی دوسرے کی محبت کے لیے جگہ ہی نہیں رہی، اہل ایمان جانتے ہیں کہ وہ ”دوسرا“ اللہ کے سوا کوئی نہ تھا، جس کے دل میں اس کی پاک محبت سما جائے اس کے دل میں کسی عاشق اور معشوق کی ”ناپاک“ محبت کی گنجائش نہیں رہتی، یہ حال تو عام مومنوں کا ہے اور وہ تو یوسف تھے، نبی ابن نبی! ﴿وَلٰكِنْ كَمْ يَفْعَلُ﴾ اظہارِ عشق اور عشوہ طرازی کا حربہ ناکام ہوتا دیکھ کر زلیخا دھمکیوں پر اتر آئی، وہ معمولی عورت نہ تھی، سینئر اور باختیار وزیر کی سرچڑھی بیوی تھی اور ایسے معاشرے کا حصہ تھی جس میں اس جیسی عورتیں اپنے شوہروں سے ہر جائز ناجائز بات منوالیتی ہیں، اس لیے اس نے قسم کھا کر کہا کہ اگر یوسف نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا اور اسے ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ بھول گیا ہے کہ جو اسے عزت دے سکتے ہیں وہ ذلیل بھی کر سکتے ہیں، زلیخا کی یہ دھمکی جیل والی دھمکی سے بھی زیادہ سخت تھی اس لیے کہ معزز اور نیک انسان کے پاس ایمان کے بعد سب سے قیمتی سرمایہ عزت ہی ہوتی ہے۔

مصیبت نہ کہ معصیت:

﴿۳۳﴾..... سیاق کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دعوت میں موجود ساری امیرزادیاں یوسف کو سمجھانے بھانے لگ گئی تھیں کہ اپنی مالکہ کو ناراض نہ کرو اور اس کی خواہش پوری کر دو، اللہ کے منتخب بندے نے جب اپنے آپ کو شہوت پرست لیڈیوں کے جہوم میں گھرا ہوا پایا تو اپنے پروردگار کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے، میرے

## احسن القصص

رب! یہ مجھے تیری محبت سے محروم کر کے اپنی محبت، تیرے قرب سے ہٹا کر اپنے قریب اور تیری سناجات سے جدا کر کے اپنی سرگوشیوں میں مشغول دیکھنا چاہتی ہیں، بصورت دیگر جیل کے تاریک درودیوار ہیں اور وہاں کی اذیت ناک زندگی! لیکن مجھے جیل کی مصیبت محبوب ہے تیری معصیت سے۔

﴿أَحِبُّ﴾ یہ اگرچہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن اس میں زیادتی کا معنی نہیں پایا جاتا {۵۹} لہذا اس کا یہ معنی نہیں کیا جاسکتا کہ ویسے تو مجھے ان لہڈیوں کی دعوت بھی محبوب ہے مگر اس کے مقابلے میں جیل زیادہ محبوب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان عورتوں نے میرے سامنے دو صورتیں پیش کی ہیں، جن میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری ہے، تو میں ان میں سے جیل جانے کی صورت کو پسند کرتا ہوں، آپ کا مصیبت کو معصیت پر ترجیح دینا دلیل ہے کمال صدیقیت کے مقام پر فائز ہونے کی۔ (۶۰)

﴿وَالْأَنْصُوفُ﴾ اے اللہ! اگر تو نے ان کے مکر و فریب کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں بشری تقاضے کے مطابق ان کی طرف مائل ہو کر ان جاہلوں میں ہو جاؤں گا جو نفسانی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے زہد و تقویٰ پر ناز نہیں ہوتا بلکہ ان کا سارا اعتماد اللہ کی ذات پر ہوتا ہے، وہی ڈمگاتے قدموں کو ثبات اور گناہ کی تیز ہوا کے سامنے لرزاتے دل کو قوت عطا فرماتا ہے {۶۱} یہی حال اولیاء اور صلحاء کا ہوتا ہے، علاوہ ازیں وہ علم و عمل کے ہر کمال کو اللہ کی جانب اور ہر کمزوری کو اپنی جانب منسوب کرتے ہیں۔

﴿۳۳﴾..... یقین اور عجز و الحاح کے ساتھ کی گئی دعا قبول ہوئی اور تقویٰ ممکن ماحول

{۵۹} "أحب" الذي معناه أكثر حبا ولكن حولت العبارة..... (نظم الدرر ۳/۳۶)  
 {۶۰} وهذا في غاية مقامات الكمال انه مع شهابه..... ويختار السجن على ذلك خوفا  
 من الله ورجاء ثوابه (ابن كثير ۲/۶۲۰ وما بعدها)  
 {۶۱} دل هذا على ان احدا لا يمتنع عن معصية الابعوه الله (قرطبي ۱۵۸/۹)

میں حضرت یوسف علیہ السلام کو عصمت پر ثابت قدمی عطا کر دی گئی، دعوتِ گناہ دینے والی عورتوں کا مکر و فریب ان سے ہٹا دیا گیا لہذا نہ تو آپ ان کی طرف مائل ہوئے اور نہ ہی کسی قسم کی جہالت کا آپ نے ارتکاب کیا۔

﴿التَّوْبَةُ الْعَلِيَّةُ﴾ اللہ نے یوسف کو اس لیے بچا لیا کیونکہ یہ اس کی صفتِ سمیع اور علم کا تقاضا تھا کہ وہ اخلاص اور عاجزی کے ساتھ کی گئی دعا قبول کرتا اور دعا کرنے والے کی ذات سے مکر و فریب اور گناہ کو دور ہٹا دیتا ہے۔

﴿۳۵﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے متعدد شواہد دیکھ لینے کے باوجود {۶۲} عزیز اور اس کے مشیروں نے یہی مناسب سمجھا کہ یوسف کو کچھ وقت کے لیے {۶۳} قید کر دیا جائے، بدنامی سے کسی قدر بچاؤ بھی ہو جائے گا اور ان عورتوں کے سفلی جذبات بھی سرد ہو جائیں گے جو بہر صورت دامنِ یوسفی تارتا رہنے پر تلی بیٹھی تھیں۔

توریت میں ہے:

”اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے،

قید میں ڈالا۔“ {۶۳}

حکمت و ہدایت:

..... تجسس اور تحقیق انسان کی فطرت میں ہے، یہ جو کچھ نہیں جانتا اسے جانتا چاہتا ہے۔ (۳۰) یہی جذبہ تجسس مصر کی عورتوں میں بھی تھا۔

{۶۲} وہی الصواہد الدالۃ علیٰ براءتہ علیہ السلام وطہارتہ (روح المعانی ۳۵۵/۱۲، ۴)

{۶۳} والاولیٰ ان لا یجزم بملدار وانما یجزم بالمدۃ الطویلہ (روح المعانی ۳۵۴/۱۲، ۴)

{۶۳} (پیدائش باب ۳۹: ۲۰/ص ۳۹)

۲..... برائی کی خبر بہت جلد پھیل جاتی ہے بالخصوص ایسی خبر جس کے پیچھے صورتوں کا ہاتھ ہو۔ (۳۰)

۳..... مغربی تہذیب میں عورت کی بے باکی اور آزادی دیکھ کر مصر کی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والی خواتین کی آزاد خیالی اور رومانس پروری سمجھ میں آتی ہے۔

۴..... قید خانے کی تاریخ دنیا میں بہت قدیم ہے اور مصر کے اس عہد کی حکومت میں قید خانے نہ صرف موجود تھے بلکہ ایک سرکاری جیل کے علاوہ متعدد بڑے معاہد کے تحت جیل موجود تھے البتہ جیل میں عیش و آرام کے ساز و سامان جو اب موجود ہو گئے ہیں قدیم جیل خانے اس سے نا آشنا تھے۔ (۶۵)

۵..... اللہ کے نیک بندے مصیبت برداشت کر لیتے ہیں مگر معصیت نہیں۔ (۳۳)  
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو بعض تلامذہ نے بڑھاپے میں جیل کی تکلیفوں پر دکھ کا اظہار کیا، آپ نے جواب میں فرمایا:  
”الحمد للہ! بمصیبتہم گرفتارم نہ بمعصیتہم“ (اللہ کا شکر ہے مصیبت میں مبتلا ہوا تھا معصیت میں نہیں۔)

۶..... حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف گناہ سے بچنے کے لیے قید کو ترجیح دی ورنہ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ مجھے جیل جانا محبوب ہے، بعض روایات میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے کہا ”السجن احب الی“ تو انہیں بذریعہ وحی کہا گیا، اے یوسف! تم نے خود اپنے لیے جیل کا انتخاب کر لیا، اگر تم یوں کہتے ”العالمیۃ احب الی“ (مجھے عاقبت زیادہ پسند ہے) تو تمہیں عاقبت عطا کی جاتی۔ (۶۶) ہمارے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ: ”بندہ اللہ سے جو کچھ مانگتا ہے ان میں سے بہترین چیز عاقبت ہے۔“



۷..... حضرت یوسف علیہ السلام کا دعائیں یہ عرض کرنا کہ ”اگر تو نے ان کے مکر و فریب سے میری حفاظت نہ فرمائی تو میں ان کی طرف مائل ہو کر جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا“ یہ دعا ذرا بھی عصمت کے منافی نہیں، کیونکہ یہ عصمت بھی تو حفاظتِ الہی کی بدولت ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے اس لیے ان کو اپنی عصمت پر ذرا بھی اعتماد اور ناز نہیں ہوتا۔ {۶۷}

۸..... حقیقی جہالت کا تعلق کسی کے خواندہ یا ناخواندہ ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ سیرت و کردار سے ہوتا ہے، بد کردار اور بد عمل کو جاہل ہی کہا جائے گا اگرچہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو (۳۳) اہل مغرب، جنہیں اپنے علم و تحقیق پر بڑا ناز ہے، درحقیقت جہالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ انہیں ہم ”پڑھے لکھے جاہل“ کہہ سکتے ہیں۔

۹..... صبر و استقامت کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی یونہی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو اس کے ڈر سے اپنے آپ کو گناہ سے بچاتے اور ہر حال میں صراطِ مستقیم پر چمے رہتے ہیں۔ (۳۴)

۱۰..... اگر کسی کو قید کی دھمکی دے کر زنا پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے یہ فعلی بد جائز نہیں۔

## قید خانہ میں دعوتِ توحید

﴿۳۶.....۳۷﴾

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ قَالَيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْرُضُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي

اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان، کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نمڑا ہوں شراب اور دوسرے نے

آئین فوقِ راسی خمرًا تاكل الطيرونة ينشأ من أولاد إكنا نريك من المعسرين ﴿۳۶﴾

کہا میں دیکھتا ہوں کہ انہار ہا ہوں اپنے سر پر رولی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے، تلامہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھنے ہیں تمہ ونگی والا ﴿۳۷﴾

قَالَ لَا يَا أَبَتِ كَمَا طَعَّمْتُكَ قَبْلَ الْإِسْتِخَارَةِ يَا أَبَتِ كَمَا طَعَّمْتُكَ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا وَمَا

بولتا آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتاؤ تم کو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے یہ

عَلِمْتَنِي رَيْبًا إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۳۶﴾

علم ہے کہ مجھ کو کھانا میرے رب نے، میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں ۰

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا، ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا

شَيْءٍ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۷﴾

کسی چیز کو یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت لوگ احسان نہیں مانتے ۰

يُصَٰحِبِي السِّجْنِ ۚ أَرَأَيْتُ مُتَّفِقُونَ خَيْرًا مِّنَ اللَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۳۸﴾ مَا تَعْبُدُونَ

اے رفیقو تیرا خانہ کے! بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست؟ ۰ کچھ نہیں پوجتے ہو

مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءَ سَبَّيْتُمُوهُنَّ وَأَبَاءُكُمْ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ

سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کا کوئی سند حکومت نہیں ہے

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ الْأَتَّعِبُونَ وَالْآيَاتُ ذَلِكَ لِلَّذِينَ الْغَيْبُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ

کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو یہی ہے راستہ سیدھا پر بہت لوگ

لِلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ يٰصَٰحِبِي السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمْ فَتَسْبِيحِي رَبِّهِ خَيْرٌ أَوْ أُمَّتَا

نہیں جانتے ۰ اے رفیقو تیرا خانہ کے! ایک جو ہے تم دونوں میں جو پائے گا اپنے مالک (خادم) کو شراب اور دوسرا جو ہے سولا دیا

الْآخِرُ قَيْصَبٌ مِّمَّا كُلُّ الطَّيْرِ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ﴿۴۰﴾

جائے گا، پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے لیصل ہوادہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ۰

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّه نَائِبٌ مِّنْهُمْ مَا ذُكِرْتُمْ عَنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسَهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرًا

اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں، میرا ذکر کرنا ہے مالک (خادم) کے پاس سو بھلا وہ اس

رَبِّهِمْ فَلَمَّكَ فِي السِّجْنِ بِضَمِّ وَسْوِينِ ﴿۴۱﴾

کشیماں نے ذکر کرنا ہے مالک (خادم) سے پھر رہا قید میں کئی برس ۰

تسہیل: اور یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے، ان میں

سے ایک نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب بنانے کے لیے انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں، آپ ہمارے خواب کی تعبیر بتا دیجیے ہم آپ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں O یوسف علیہ السلام نے فرمایا، روزانہ تمہیں جو کھانا ملتا ہے، اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا، تعبیر بتانے کی یہ مہارت اس علم کا حصہ ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، میں ان لوگوں کے دین سے بچتا ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی ہیں جو آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں O میں تو اپنے باپ دادا یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کرتا ہوں، ہمارے لیے مناسب ہی نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، یہ عقیدہ توحید ہم پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے O اے جیل خانہ کے ساتھیو! مجھے یہ بتاؤ کہ کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ O تم اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو، وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں اور نہ ہی اللہ نے ان کے معبود ہونے کی کوئی سند اتاری ہے، یاد رکھو! ساری کائنات پر اقتدار صرف اللہ کا ہے، اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، توحید ہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O اے میرے قید خانہ کے دوستو! جہاں تک تمہارے خواب کی تعبیر کا تعلق ہے، تو سن لو کہ تم میں سے ایک تو حسب سابق اپنے آقا کو شراب پلاتا رہے گا اور دوسرے کو سولی پر چڑھا دیا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے، جو بات تم مجھ سے پوچھ رہے تھے، اس کا فیصلہ یونہی ہو چکا O ان دونوں میں سے جس شخص کے بارے میں یوسف علیہ السلام کا خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا، اس سے انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی

ذکر کر دینا لیکن شیطان نے اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا پس وہ کئی سال تک  
جیل میں پڑے رہے O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۳۶﴾..... جس زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو قید کرنے کا فیصلہ کیا گیا،  
اسی زمانے میں شاہی غلاموں میں سے دو غلاموں کو بھی جیل کی سزا سنائی گئی تھی، ان  
میں سے ایک بادشاہ کا ساتی اور دوسرا باورچی تھا، ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو  
زہر دینے کی کوشش کی تھی، توریت میں ہے:

”بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہِ مصر کا ساتی اور نان پڑ اپنے خداوند شاہِ مصر کے  
مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دوسر داروں پر جن میں ایک ساتیوں کا، دوسرا نان پڑوں کا  
داروغہ تھا، غصہ ہوا اور اس نے ان کو نگہبانی کے لیے جلوداروں کے سرداروں کے گھر  
میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا، قید خانہ میں ڈالا۔“ {۶۸}

چند دنوں بعد ان دونوں قیدیوں نے الگ الگ خواب دیکھا اور چونکہ وہ حضرت  
یوسف علیہ السلام کے حسنِ اخلاق اور فضل و کمال سے متاثر ہو چکے تھے، اس لیے  
انہوں نے تعبیر کے لیے آپ کی طرف رجوع کیا۔

﴿اِنَّكَ نَزَلْتَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ پھولوں کی خوشبو کی طرح کردار کی خوشبو بھی ایسی چیز  
ہے جسے چھپایا نہیں جاسکتا، کیا دوست اور کیا دشمن، اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں  
رہتے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی زبان سے اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کو اعتراف میں  
جھک محسوس ہوتی ہے، جب زنانِ مصر نے نظارہ یوسفی کیا تھا تو کہہ اٹھی تھیں ”یہ تو کوئی  
بزرگ فرشتہ ہے“ اور جب جیل کے قیدیوں نے ان کے شب و روز دیکھے اور ان کی  
وسعتِ علمی اور حسنِ سیرت کا مشاہدہ کیا تو بلا توقف اعتراف کر لیا ”ہم تمہیں نیک“

آدمی سمجھتے ہیں“ یہ تاثر اور اعتراف دو قیدیوں تک محدود نہ تھا بلکہ توریت کہتی ہے کہ داروغہ جیل تک ہر کوئی آپ سے متاثر تھا۔

”قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے، یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اسی کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے، بے فکر تھا۔“ {۶۹}

جذبہ دعوت:

{۳۷}..... حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت مل چکی تھی اور اللہ کے نبی دعوت کے بغیر نہیں رہ سکتے، عام طور پر انبیاء کی دعوت سے مظلوم، غریب اور پے ہوئے لوگ زیادہ متاثر ہوتے ہیں، جیل میں زیادہ تر یہی لوگ تھے، آپ کو موقع مل گیا کہ آپ انہیں توحید کی دعوت دیں، آپ کی دعوت پیغمبرانہ مزاج اور اسلوب کا اعلیٰ نمونہ ہے، آپ نے فوری طور پر نہ تو بت پرستی کی مذمت فرمائی اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کو برا بھلا کہا، آپ نے پہلے تو انہیں تسلی دی کہ روزانہ تمہارے لیے جو کھانا آتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا {۷۰} تاکہ وہ پریشان نہ ہو جائیں کہ ہم کیا مقصد لے کر آئے تھے اور انہوں نے کیا قصہ چھیڑ دیا ہے، پھر اپنے علم کے بارے میں بتایا کہ یہ وہ علم نہیں ہے جس کی بنیاد پر مصر کے جوتشی، نجومی اور کاہن غیبی امور کے بارے میں پوچھگولیاں کرتے اور انکل پچو سے عوام کو مرعوب کرتے ہیں بلکہ یہ علم خالص عطا ربانی ہے، {۷۱} مصر میں چلے عملیات اور اپنے علم میں فرق کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ تعبیر میں مہارت میرا ذاتی کمال

{۶۹} (سہد عتیق، بیدائش ۳۹:۲۲-۲۳/ص ۴۹)

{۷۰} اخبر تکما بتاویل ما تصصتہما علیٰ قبل ان یاتیکما ذلک الطعام الموقت (روح المعانی ۴/۱۲۰۷/۳۶۳)

{۷۱} علمنی ہی بوحی منہ الیٰ لا یكفاه ولا عرافہ..... (البراعی ۱۲/۱۲۶)

نہیں بلکہ سراسر لعلِ الٰہی کا نتیجہ ہے، یوں انہیں اپنی دعوت قبول کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا، انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت میں جو حکمت و بصیرت، تیسیر اور تدریج اور نفسیات شناسی ہوتی ہے، وہ سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں کارفرما نظر آتا ہے۔

﴿إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ﴾ جو دین قوم کا تھا وہی ان نوجوانوں کا تھا، اس کے باوجود یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تمہارا دین چھوڑ دیا ہے تاکہ ان کے دل میں بعد اور نفرت نہ پیدا ہو جائے بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جس میں میری تربیت ہوئی۔

﴿تَرَكْتُ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے میں مشرکوں کے مذہب پر تھا اور اب میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس مشرکانہ مذہب کو اختیار ہی نہیں کیا (۷۲) اور بت پرستوں کی کبھی اتباع کی ہی نہیں، اصل میں ترک کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے، کسی کام کو کبھی بھی نہ کرنا اور دوسرا یہ کہ کرنے کے بعد چھوڑ دینا، یہاں یہ پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مصری مختلف بتوں کی پرستش کرتے تھے، فراعزہ مصر اور گائے بھی ان کے معبودوں میں شامل تھے اور سب سے بڑا دیوتا آفتاب کو مانتے تھے۔

﴿وَمَثَلِ الْيَهُودِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ مصری اگرچہ آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر اس طریقے سے ایمان نہیں رکھتے تھے جس طریقے سے ایمان رکھنے کا حکم اللہ اور اس کے رسولوں نے دیا ہے بلکہ عقیدہ آخرت میں انہوں نے اپنے خود ساختہ نظریات بھی شامل کر لیے تھے، مثلاً یہ کہ ان کے فرعون انہی اجسام میں دوبارہ زندہ ہو جائیں گے

(۷۲) الترك عبارة عن عدم التعرض للمعنى وليس من شرطه ان يكون له كاه خالضا

له (كبير، الجزء الثامن عشر/ ۳۵۶)

جن اجسام میں انہیں حنوط کرنے کے بعد دفن کیا گیا ہے اور ان کا تاج و تخت بھی انہیں دوبارہ واپس مل جائے گا، اسی لیے جب وہ فرعونوں کی آخری رسوم ادا کرتے تھے تو ان کا اسلحہ اور زیورات وغیرہ بھی ان کے ساتھ رکھ دیتے تھے اور ان کی میموں کی حفاظت کے لیے ایسے اہرام تعمیر کرتے تھے جن کے طرز تعمیر اور مضبوطی نے جدید دور کے انجینئرز اور سائنسدانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔

﴿۳۸﴾..... مخاطبین کے دل میں مزید شوق پیدا کرنے کے لیے اپنا خاندانی تعارف بھی کرادیا کہ کہیں معمولی غلام اور عام قیدی سمجھ کر میری دعوت کو نظر انداز نہ کر دینا، میں اس خاندان کا فرد ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے دعوت توحید کے عنوان سے صرف کتھا ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ عزت و شہرت عطا کی ہے۔

﴿مَا كَانَ لَنَا﴾ ہم جو کاروان نبوت سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، ہمارے لیے مناسب ہی نہیں کہ ہم کسی بھی قسم کا شرک کریں۔ ﴿۴۳﴾  
 ﴿ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ یہ عقیدہ توحید ہم پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اس کی ہدایت دی۔

﴿وَعَلَى النَّاسِ﴾ ان لوگوں پر بھی فضل ہے جن کے لیے ہمیں رسول بنا کر بھیجا گیا۔ ﴿۴۴﴾

﴿۳۹﴾..... مصری بھی دوسری مشرک قوموں کی طرح متعدد خداؤں کو مانتے تھے،

﴿۴۳﴾ "ماکان" ای ماہنبغی..... من لئناکید کقولک ما جاء نسی من أحد (طرطبی ۱۶۳/۹) ایک طرف قرآن ہے جو علمائے کرام علیہم السلام کی زبان سے کھلاواتا ہے کہ ہم ذرا برابر شرک نہیں کر سکتے، دوسری طرف ہائل ہے جو بتاتی ہے کہ یسوع بن اسحاق بت پرست تھا جبکہ اس کا بڑاں ہمالیٰ یعقوب موحّد تھا، اس کے باوجود اسحاق یسوع سے زیادہ محبت کرتا تھا اور یعقوب نے دعوہ کہ دی کے ذریعے اس اسحاق سے برکت لے لی تھی حالانکہ وہ یسوع کا حق تھا اس لیے کہ یسوع حکم مادر سے یعقوب سے پہلے نکلا تھا.....  
 قرآن اور ہائل کی ہابیت میں کتنا فرق ہے؟

﴿۴۴﴾ "وعلى الناس" افا جعلنا الرسل اليهم (طرطبی ۱۶۳/۹)

اس لیے فرمایا، اے جیل کے ساتھیو! یہ بتاؤ متعدد معبود بہتر ہیں جن کے درمیان تصادم اور تنازع کا ہمیشہ امکان رہے گا یا وہ اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ کیا ارض و سما اور کیا انسان، جن اور ملائکہ، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

﴿۴۰﴾..... اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو اور جن کے لیے تم نے یہ مختلف نام تجویز کر رکھے ہیں، تو وہ حقیقت میں صرف نام ہیں جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں، تم انہیں ”رب“ کہتے ہو حالانکہ ان کے اندر رب والی کوئی بات نہیں، نہ پیدا کر سکتے ہیں نہ رزق دے سکتے ہیں اور نہ ہی نفع نقصان ان کے اختیار میں ہے۔

﴿مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ علاوہ ازیں تمہارے پاس کوئی ایسی آسمانی دلیل بھی نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انہیں ”رب“ کا نام دینا صحیح ہے اور ان کی ایسی عبادت و اطاعت اور تعظیم جائز ہے جو توحید کے منافی نہ ہو، جیسے طواف کعبہ کے وقت حجر اسود کو بوسہ دینا یا محبت و عقیدت سے ہاتھ لگانا نفلی عبادت ہے مگر ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حجر اسود نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ ہی نقصان۔

﴿اَمْرًا لَا تَعْبُدُوْا اِلٰهًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں، نہ فرشتے اور جن کی، نہ ولی اور پیغمبر کی، نہ قبر اور درگاہ کی، نہ شجر و حجر کی، نہ ٹمس و قمر کی، نہ نہر اور دریا کی، نہ کسی حیوان اور کیڑے مکوڑے کی، تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کی عبادت کرنے والے مل جائیں گے بلکہ آج بھی گنگا اور جمنا، کالی مائی، بندر اور سانپ اور دوسری مخلوق کی پرستش کرنے والوں کی کمی نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيُّمُ﴾ ”توحید ہی سیدھا راستہ ہے جو ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔“

”قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعویٰ کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دین فطرت اور انسانوں کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے، انیسویں صدی کے ”روشن خیال“ بدتوں اس منزل میں بھٹکتے رہے اور یہی کہتے



گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے، یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا کہ انسان کا قدیم ترین دین، دین توحید ہی تھا۔“ (۷۵)

خواب کی تعبیر:

﴿۴۱﴾..... دعوت توحید کے بعد دونوں کو خواب کی تعبیر بتائی (۷۶) کہ تم میں سے جو ساتی ہے، وہ اپنے عہدے پر بحال ہو کر اپنے ”رب“ کو حسب سابق شراب پلائے گا اور دوسرے کو پھانسی دے دی جائے گی۔

﴿دیکھو﴾ بادشاہ مصر پر ”رب“ کا اطلاق عبودیت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ وہ بادشاہ خدائی کا دعویدار نہیں تھا بلکہ اس سے مراد مجازی آقا ہے اور لغت عرب میں اس پر رب کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ (۷۷)

﴿فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ دَأْيِهِ﴾ ”پرندے اس کے سر سے نوح نوح کر کھائیں گے“ ممکن ہے اس زمانے میں مجرم کو پھانسی دے کر عبرت کے لیے سولی پر چھوڑ دیا جاتا ہو یہاں تک کہ گوشت خور پرندے اس کی لاش کو نوح نوح کر کھا جاتے ہوں۔

﴿قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ بعض تفسیروں میں ہے کہ تعبیر سننے کے بعد ان نوجوانوں نے کہا کہ ہم مذاق کر رہے تھے، ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا، آپ نے جواب میں فرمایا ”جو بات تم مجھ سے پوچھ رہے تھے اس کا فیصلہ یونہی ہو چکا۔“ (۷۸)

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے چہرے دیکھ کر ان کے دل میں کھلنے والے سوال پڑھ لیا ہو

(۷۵) (ماجدی ۲/۶۰۸)

(۷۶) (تورہ میں یہ سارا فقرہ تو ہے مگر معنی تو عیناً ذکر بالکل نہیں)

(۷۷) ولا یقال الرب مطلقاً الا لله..... وبالاضافه له ولغيره (المفردات ۱۸۴)

(۷۸) قیل: جحدنا وقلنا: ماراہنا شیئاً... فآخرهما ان ذلك كان صدقنا أو کذبنا (کشاف ۴/۴۴۴) لمانالا مانالا وأخبرهما قالا: ماراہنا شیئاً، قال: قضی الأمر..... (ابن کثیر ۲/۶۲۳)

کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ کوئی ظنی چیز ہے یا قطعی، آپ نے ان کا تردد دور کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ قطعی بات ہے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے، جس جزم اور وثوق کے ساتھ آپ نے انہیں جواب دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر مکافہ اور الہام الہی کے ماتحت تھی۔

﴿۴۲﴾..... وہ ساتی جس کے بارے میں آپ کا گمان تھا کہ وہ قید سے رہا ہو جائے گا، آپ نے اس سے کہا کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر بادشاہ کے سامنے ہمارا ذکر کر دیجو کہ ایک بے گناہ شخص جیل میں بند ہے ﴿۷۹﴾ اور اس کے اس قسم کے حالات اور اخلاق ہیں۔ ﴿۸۰﴾

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ظن یقین کے معنی میں ہے ﴿۸۱﴾ لہذا کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ پہلی آیت میں جو تعبیر مذکور ہے اس سے تو قطعیت ثابت ہو رہی ہے جبکہ یہاں ظن کا ذکر ہے، علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مستقبل کے بعض حالات کے بارے میں انبیاء کو اللہ کی طرف سے اجمالی علم دیا جاتا ہے، ان دو غلاموں کے بارے میں آپ کو جو کچھ بتایا گیا تھا، اس میں وقت کا تعین بھی نہیں تھا اور یہ بھی احتمال تھا کہ اس کے نفاذ میں اللہ کی تقدیر آڑے آجائے، تقدیر معلق میں یہی ہوتا ہے، باری تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے مگر وہ مشروط ہوتا ہے، شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا۔

اس تاویل کے پہلے جزء کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے اس خواب کو بھی پیش کیا

(۷۹) اخبرہ انی مظلوم محبوب بلا ذنب (قرطبی ۱۶۵/۹)

(۸۰) ای اذ کرنی لیدی سیدک الملک بما رأیت منی وما سمعت وعلمت من

امری (المراغی ۱۵۲/۱۲)

(۸۱) ویكون الظن بمعنى اليقين (كشفات ۳۴۵/۲)..... تحمل هذا الظن على العلم

واليقين وورد لفظ الظن بمعنى اليقين كثير في القرآن (كبير ۱۸۰۶/۳۶۰)

جاسکتا ہے جو آپ نے ۶۰ھ میں مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کے طواف کے بارے میں دیکھا تھا اور حدیث اشتیاق کی بناء پر صحابہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کی تعبیر اس سال سامنے آجائے گی چنانچہ وہ آپ کی قیادت میں روانہ بھی ہو گئے مگر قریش کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مکہ میں داخل نہ ہو سکے اور انہیں عمرہ کیے بغیر واپس آنا پڑا۔

### نسیان کی سزا؟

﴿فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ﴾ نسیان کسی کو بھی ہو سکتا ہے، کافر اور فاجر تو کیا صاحبِ تقویٰ مومن بلکہ اللہ کا نبی بھی بھول سکتا ہے اور اس کی نسبت بالعموم شیطان کی طرف کی جاتی ہے۔ سید المرسلین ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَمَّا يُؤْمِرُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقَعَنَّ﴾ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے

تو یاد آنے پر تم ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔

﴿بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ {۸۲}

سورہ اعراف میں اپنے متقی بندوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

”جن لوگوں کے دل میں تقویٰ ہوتا ہے،

﴿لَئِن لَّا لَئِن لَّا تَقُولُوا لَئِن لَّمْ يَأْتِكُمْ مَثَرٌ

ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کبھی شیطانی

﴿مِّنَ الشَّيْطَانِ تَدْبِيرٌ لَّا تَأْتِيكُمْ سَاعَةٌ

خیال ان کے قریب سے بھی گزر جائے تو

﴿مُبْشِرَةٌ﴾ {۸۳}

وہ فوذا چوکنے ہو جاتے ہیں اور کچھ جانتے

ہیں کہ ان کے لیے درست طریقہ کیا ہے۔“

بعض حضرات نے ”فانساه الشيطان“ کا معنی کیا ہے ”شیطان نے یوسف کو

اپنے رب یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا دیا تھا“ {۸۳} جس کی سزا اللہ نے ان کو یہ وی کہ وہ

{۸۲} (الانعام ۶/۶۸)

{۸۳} (الاعراف ۷/۲۰۱)

{۸۳} ”فانساه“ يقال ان الضمير عائذ الي يوسف عليه السلام (ابن كثير ۲/۶۲۴) ”فانساه الشيطان“ وفيه قولان: الأول انه راجع الي يوسف (كبير ۶، الجزء الثامن عشر/ ۶۴۱)

کئی سال تک جیل میں پڑے رہے، اس تفسیر پر وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر یوسف وہ کلمہ نہ کہتے جو انہوں نے کہا تو وہ اتنا عرصہ جیل میں نہ رہتے جتنا عرصہ انہیں رہنا پڑا، انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے غیر اللہ سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔“ (۸۵)

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ ”بھولنے والا“ ساقی نہیں تھا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے اور آپ کچھ دیر کے لیے نسیان کا شکار ہو گئے تھے، تو بھی آپ سزا کے حقدار نہیں ٹھہرتے کیونکہ نسیان ایسا گناہ نہیں جس پر کسی کو سزا دی جائے، یہ غیر اختیاری چیز ہے اور نبی اور غیر نبی ہر کسی کو ہو سکتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اگر ساقی سے کہا تھا کہ ”آقا کے سامنے میرا بھی ذکر کر دینا“ تو اس سے یہ درخواست کر کے آپ نے عادی اسباب میں سے ایک سبب سے کام لیا تھا اور اسباب عادیہ سے کام لینا بالکل جائز ہے، مصائب و آلام کے ازالہ اور بیماریوں سے شفا کے لیے مخلوق سے مدد لینے میں قطعاً کوئی حرج نہیں، یہ مناسب نہیں کہ جب کوئی مومن بندہ اپنے مسئلہ کے حل کے لیے کوئی جائز سبب اختیار کرے تو ہم یہ کہیں کہ شیطان نے اسے اللہ کا ذکر بھلا دیا تھا، اللہ کو یاد رکھتے ہوئے بھی ظاہری اسباب اختیار کیے جاسکتے ہیں۔

یہ ساری تقریر ہمیں اس لیے کرنی پڑی تاکہ نبی کی عصمت پر کوئی حرف نہ آئے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اللہ کے نبی سے ایسا جرم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہو گئے، البتہ یہ اصول اپنی جگہ صحیح ہے کہ ”حسنات الأبرار سیئات

(۸۵) (بحوالہ ابن کثیر ۲/۶۲۳) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”وهذا الحديث ضعيف جدا“ (یہ حدیث سب سے کمزور ہے۔)

المقربین“ (نیک بندوں کی نیکیاں مقربین کی غلطیاں شمار ہوتی ہیں۔)  
حدیث کو ضعیف مان لینے کی صورت میں اس تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔  
{بِضْعٍ مِّنْ سِنِينَ} عربی میں ”بضع“ کا اطلاق تین سے نو پر ہوتا ہے، اکثر مفسرین  
کی رائے یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو سات سال جیل میں رہنا پڑا تھا۔ {۸۶}  
حکمت و ہدایت:

۱..... کائنات میں ظاہر ہونے والے امور اگرچہ انسان کو اتفاقات محسوس ہوتے ہیں  
مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے طے کردہ معاملات کا حصہ ہوتے ہیں، حضرت  
یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوانوں کا جیل میں داخل ہونا بظاہر اتفاق تھا  
مگر آگے چل کر انہی میں سے ایک نوجوان آپ کی باعزت رہائی اور پھر مملکت  
کے سب سے بڑے عہدے تک رسائی کا ذریعہ بنا۔ (۳۶)

۲..... حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل میں داخل ہونا ایسے واقعات کی ابتداء تھی جو  
اگرچہ بظاہر مایوس کن تھے مگر انہی کے بطن سے امید کا سورج پوری آب و تاب  
سے طلوع ہوا۔ (۳۶)

۳..... جیل میں جانا کسی کے مجرم ہونے کی دلیل نہیں، اللہ کے بے شمار نیک بندے بھی  
جیل کی کال کو ٹھڑیوں میں رہے ہیں۔ (۳۶) مگر یہ بھی روا نہیں کہ جو ایرا غیرا  
جیل میں چلا جائے وہ کہتا پھرے کہ میں نے ”سعتِ یوسفی“ زندہ کر دی ہے۔

۴..... تعبیر میں مہارت علم و تقویٰ اور فراست کے تابع ہوتی ہے۔

۵..... بعض خواب سچے ہوتے ہیں، محی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”مومن کا خواب نبوت کے چھیا لیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔“ (۸۷)

{۸۶} وانفق الاكثرون على ان الصراط ههنا بضع سنين، سبع سنين  
(کبیر ۱۸۰۶/۳۶۳)

{۸۷} (بخاری ۲، کتاب التعمیر ۱۰۳۵، مسلم ۲، کتاب الروایا/۲۳۱)

۶..... قیدیوں نے یوسف علیہ السلام کے نیک ہونے کا اندازہ ان کے اچھے اخلاق اور عبادت

سے لگاؤ کیونکہ آپ بیماروں کی عیادت اور غمزدوں سے تعزیت فرماتے تھے۔ (۸۸)

۷..... جس انسان کے اندر اخلاق اور روحانی فضل و کمال ہو وہ بالآخر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ (۳۶)

۸..... داعی کو چاہیے کہ وہ دعوے سے قبل مخاطبین کو اپنے سے مانوس کر لے۔ (۳۷)

۹..... سامعین کے دل میں شوق پیدا کرنے کے لیے اپنی عالیٰ نسبی کا ذکر کیا جاسکتا

ہے۔ (۳۸)

۱۰..... حسب موقع و مصلحت اپنے دین کو رجال اکابر کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ (۳۸)

۱۱..... دین کے جو سچے داعی ہوتے ہیں وہ ہر وقت دعوت کے لیے مستعد اور بے تاب

رہتے ہیں۔ (۳۸)

۱۲..... عقلی اور نقلی دلائل سے متعدد معبودوں کی تردید اور ایک معبود کے برحق ہونے کی

تائید ہوتی ہے۔ (۴۰)

جو معبودانِ باطلہ کے پرستار ہیں ان کے پاس صرف نام ہیں جن کے پیچھے کوئی

حقیقت نہیں۔ (۴۰)

۱۳..... کائنات میں بھی صرف اللہ کا حکم چلتا ہے اور شریعت میں بھی صرف اسی کا حکم

چلتا ہے، حق صرف وہی ہے جسے وہ حق کہے اور باطل وہی ہے جسے وہ باطل قرار

دے دے۔

۱۴..... انسان کا قدیم دین توحید ہی رہا ہے، شرک کی آمیزش اس میں جہالت و

حماقت کی وجہ سے ہوئی۔ (۴۰)

۱۵..... مشکل مسائل میں سوال اور استفتاء مشروع ہے۔ (۴۱)

۱۶..... صرف انبیاء کی تعبیر یعنی ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد وحی پر ہوتی ہے، غیر انبیاء کی تعبیر محض ظن پر مبنی ہوتی ہے۔ (۲۲)

۱۷..... مصائب و حوادث کے ازالہ کے لیے کسی مخلوق سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو، احسان سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے ہر استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ (۲۲) (۸۹)

۱۸..... شیطان کی تدبیروں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ انسان پر نسیان طاری کر دیتا ہے۔ (۲۲)

## بادشاہ کے خواب کی تعبیر

﴿۲۳.....۲۹﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَوِيَّاتٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ وَسَبْعَ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھا ہوں سات گائیں موٹی ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دہلی اور سات بالیس سنبلیٹ خضر و آخریست یا ایھا الملکا اذتونی فی رؤیای ان کنتم للرؤیا

ہری اور دوسری سوکھی، اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے ۰ بولے یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں ۰ اور بولا وہ

بجائمنہما واذکر بعد امة انا انبئکم بتأویلہ فاذرسلون ۰ یوسف ایھا الصدیق

جو بجا تھا ان دونوں میں سے اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو ۰ جا کر کہا اے یوسف اے عظیم دے اذتانی سببع بقراتٍ سَوِيَّاتٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ عِجَافٍ وَسَبْعَ مُنْبَلِطٍ خَضِرٍ وَآخِرٍ

ہم کو اس خواب میں سات گائیں موٹی ان کو کھائیں سات دہلی اور سات بالیس ہری اور دوسری سوکھی یست لعلی ارجع الی الناس لعلہم یعلمون قال زرعون سببع بسنین دابا فمنا

تا کہ لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید ان کو معلوم ہو ۰ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر

حَصَدْتُمْ فَذَرَوْهُ فِي سُنْبُلِهِ الْأَقْلِيلَ وَمَتَانًا كَلْبُونَ ﴿٢٣﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنَ الْبَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ

سوجو کاٹو اس کو چھوڑ دو اس کی بال میں مگر تمہارا سا جو تم کھاؤ O پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے

شَدِيدًا يَا كَلْبَنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا عَصَوْنَ ﴿٢٤﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنَ الْبَعْدِ ذَلِكَ حَامِلٌ قَدِيدٌ

کا بائیں گے جو رکھتا ہے ان کے واسطے مگر تمہارا سا جو روک رکھو گے کچھ کے واسطے O پھر آئے گا اس کے بچے ایک برس اس میں

يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٢٥﴾

بندرے گا لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے O

تسہیل: بادشاہ نے اپنے درباریوں کو جمع کر کے ان سے کہا، میں نے عجیب خواب

دیکھا ہے، سات موٹی گائیں تھیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا گئیں، اور یہ بھی دیکھا

کہ سات بالیاں سبز ہیں اور سات بالیاں خشک ہیں، اے اہل دربار! اگر تم تعبیر کی

صلاحیت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ O درباریوں نے جواب دیا، اول تو یہ

خواب نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہم خوابوں کی تعبیر کا علم بھی

نہیں رکھتے O اور وہ شخص جو ان دونوں قیدیوں میں سے نجات پا گیا تھا، اسے ایک

عرصہ کے بعد یوسف کا معاملہ یاد آ گیا، اس نے کہا اگر تم مجھے قید خانہ میں جانے کی

اجازت دے دو تو میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں O اسے اجازت دے دی

گئی چنانچہ اس نے قید خانہ میں پہنچ کر یوسف سے کہا، اے سچے انسان! آپ ہمیں اس

خواب کی تعبیر بتاؤ کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات

بالیاں سبز اور سات بالیاں خشک ہیں، تاکہ میں ان لوگوں کو جا کر بتاؤں جنہوں نے

مجھے یہاں بھیجا ہے تاکہ وہ بھی آپ کے مقام اور مرتبہ کو جان لیں O آپ نے فرمایا تم

لوگ مسلسل سات سال تک خوب غلہ اگاؤ گے، اس کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے

کہ جو فصل بھی کاٹو اسے بالیوں سمیت رکھ چھوڑو البتہ تمہوڑا سا غلہ، جو تمہارے کھانے

کے کام آئے، وہ نکال لو O خوشحالی کے ان سات برسوں کے بعد سات سال سختی اور



قسط کے آئیں گے، وہ اس سارے ذخیرے کو کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے جمع کر رکھا ہوگا، بجز اس تھوڑی سی مقدار کے جسے تم نے بیج کی نیت سے محفوظ کیا ہوگا O اس طویل قسط سالی کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں سے رس نچوڑیں گے O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۲۳﴾..... عجیب و غریب خواب نے بادشاہ کو خوف اور دہشت میں مبتلا کر دیا، اس نے اپنے وزیروں، مشیروں اور کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اس کی تعبیر پوچھی، انہوں نے جواب دیا کہ یہ پریشان خیالات ہیں جو بد ہضمی، تھکاوٹ اور ان حالات کے نتیجے میں انسان کے حواس پر چھا جاتے ہیں جن حالات سے وہ دن بھر دوچار رہتا ہے۔  
﴿دماغن﴾ اور ہم اس قسم کی پریشان خیالیوں کی تعبیر نہیں جانتے، البتہ اگر کوئی ڈھنگ کا خواب ہو تو ہم اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ ہم کسی بھی قسم کے خواب کی تعبیر نہیں جانتے کیونکہ ان کی کوئی تعبیر ہوتی ہی نہیں۔  
یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔

توریت نے اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے۔ (۹۰)  
﴿الملك﴾ یہ بادشاہ کون تھا؟ اس کا کیا نام تھا؟ اس کا عہد سلطنت کب سے کب تک رہا؟ تاریخ ان سوالات کا صاف و واضح جواب دینے سے قاصر ہے، البتہ جیوش انسائیکلو پیڈیا نے سد ضعیف کے ساتھ اس کا نام اپھوہی (APHOHI) دیا ہے اور اس کی بس مذت سلطنت لکھی ہے (۹۱) بعض اور حوالوں میں بھی یہی نام ملتا ہے۔

(۹۰) (ہدائت ۱: ۴۱-۴۲)

(۹۱) (جیوش انسائیکلو پیڈیا، جلد ۲/ص ۱۱)

توریت میں غالباً فرعون موسیٰ پر قیاس کر کے اس بادشاہ کا لقب بھی فرعون ہی درج کیا ہے (۹۲) لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون اس وقت تک شاہی لقب نہ تھا، یہ لقب فرمانروان مصر کا بہت بعد کو چلا، قرآن توریت مروجہ کی کیسی کیسی باریک غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔

قرآن مجید اسی لیے بجائے اس اصطلاحی سرکاری لقب ”فرعون“ کے محض عام لفظ ”ملک“ لایا ہے۔ (۹۳)

﴿۳۴﴾..... بادشاہ کا خواب اور اس کے درباریوں کا جواب سن کر ساقی کو حضرت یوسف علیہ السلام کا فضل و کمال اور ان سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آ گیا، اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل جانے کی اجازت دے دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جیل شبر سے باہر تھی۔ (۹۴)

﴿۳۵﴾..... ساقی جب خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے جیل میں پہنچا تو اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ”ایہا الصدیق“ کہہ کر خطاب کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چند دن کی محبت نے اسے آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

﴿الصِدِّيقُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اقوال و افعال میں سچائی، حقائق تک رسائی اور تعبیر کی مہارت میں آپ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾ بادشاہ کا خواب سنا کر ساقی نے تعبیر پوچھی، ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ جب میں بادشاہ اور اس کے حواریوں کو جا کر تعبیر بتاؤں گا تو امید ہے کہ وہ بھی آپ کا علمی مقام جان لیں گے، (۹۵) جب آپ کا مقام اور مرتبہ ان پر کھلے گا تو

(۹۲) (دیکھیے ہدائش باب ۳۰-۴۱)

(۹۳) (ماجدی ۶۱۱/۲)

(۹۴) قال ابن عباس: لم يكن السجن في المدينة (نظم الدرر ۵۱/۳)

(۹۵) ”يعلمون“ اني لا رجوا ان يحق الله املك بالمخروج من السجن واتساع الملك

وملك بفضلك وعلمك (المراعي ۱۵۵/۱۲)

آپ کی رہائی کی صورت بھی بن جائے گی، بعض حضرات نے "لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ بادشاہ اور اس کے وزراء خواب کی تعبیر بھی جان لیں (۹۶) اور یہ بھی جان لیں کہ انہیں خواب میں دیئے گئے پیغام پر کس طرح عمل کرنا چاہیے۔

تعبیر اور تدبیر:

﴿۳۶﴾..... ساقی نے صرف تعبیر پوچھی تھی اللہ کے نبی نے تعبیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ آنے والے حالات اور خطرات سے بچاؤ کے لیے تمہیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے، بظاہر آپ کا خطاب ساقی سے ہے لیکن اس کے واسطے سے آپ ان کارپردازان حکومت کو مشورہ دے رہے ہیں جنہوں نے اسے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

آپ نے بتایا کہ سات موٹی گایوں اور سبز بالیوں سے خوشحالی کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے، تمہیں چاہیے کہ خوشحالی کے زمانے میں جو غلہ حاصل ہو اس میں سے بقدر ضرورت استعمال کر لو بقیہ بالیوں ہی میں رہنے دو، اس طرح وہ کثیرا لگنے سے محفوظ رہے گا۔

﴿۳۷﴾..... سات دہلی گایوں اور خشک بالیوں سے قحط اور تنگی ترشی کے سات سالوں کی طرف اشارہ ہے، تم لوگوں نے فراوانی کے دنوں میں جو کچھ جمع کیا ہوگا، وہ سب ان دنوں میں ختم ہو جائے گا۔

﴿۳۸﴾..... بادشاہ کے خواب سے صرف یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سات سال پیداوار اور سات سال قحط کے ہوں گے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر اضافہ فرماتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ قحط کے اختتام پر ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی، اس کا علم یا تو آپ کو اس سے ہوا کہ جب قحط کے کل سات سال

ہیں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آٹھواں سال ہارش اور پیداوار کا ہوگا (۹۷)۔  
 بھی ممکن ہے کہ آپ کو بذریعہ وحی اس بارے میں مطلع کر دیا گیا ہو۔ (۹۸)  
 حکمت و ہدایت:

۱..... انجام دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر  
 حقیقت میں اللہ کی طرف سے آپ کو تختِ اقتدار تک پہنچانے کی تدبیر  
 ہے۔ (۲۳)

۲..... ہر خواب سچا نہیں ہوتا یونہی ہر خواب جھوٹا بھی نہیں ہوتا۔ (۲۴)

۳..... بعض اوقات کافر اور فاسق و فاجر کا خواب بھی سچا ہو جاتا ہے۔ (۲۳)

۴..... یہ جو مشہور ہے کہ پہلی دفعہ خواب کی جو تعبیر بتادی جائے اسی طرح واقع ہو جاتا  
 ہے، تو قرآن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، اگرچہ اس بارے میں ایک  
 روایت بھی منقول ہے لیکن یا تو یہ روایت ضعیف ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے  
 کہ تعبیر بتانے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

بادشاہ کے حواریوں نے اس کے خواب کو پریشان خیالی قرار دیا تھا جبکہ بعد میں  
 ثابت ہوا کہ اس میں ٹھوس حقائق کی نشاندہی کی گئی تھی۔

۵..... جب بادشاہ نے خواب دیکھا، اس زمانے میں معمر سات صوبوں میں تقسیم تھا  
 اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔

۶..... انبیائے کرام علیہم السلام انسانوں کے لیے دینی اور دنیاوی معاملات میں رحمت  
 اور سلامتی ثابت ہوتے ہیں اور انہیں اخروی عذاب کے ساتھ دنیاوی مصائب

{۹۷} "وفیہ یحصرون" کأنه أخذ من انتهاء القحط ابتداء الغصب (نظم  
 الدرر ۵۳/۳).... ان هذه البشارة منه عليه السلام لم تكن عن وحى بل لأن العادة جارئة  
 بأن انتهاء الجذب الغصب (روح المعاني ۳۸۶/۱۲۰۷)  
 {۹۸} "وفیہ یحصرون" لا يعلم الا بالوحى (کبیر ۳۶۶/۱۸۰۶)

اور آفات سے بھی بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

..... ہر وہ چیز شرعی مصلحتوں میں شمار ہوگی جس کے ذریعے عقیدہ، جان، عقل، نسب

اور مال کی حفاظت ہوتی ہو اور جو ان میں سے کسی چیز کے فوت ہونے کا سبب ہو

اسے فساد کہا جائے گا۔ (۴۷)

۸..... ایسی ذخیرہ اندوزی جائز ہے جس کا مقصد مشکل حالات میں عوام کے لیے

آسانی پیدا کرنا ہو۔ (۴۷)

## بادشاہ کی دعوت اور یوسف علیہ السلام کا جواب

﴿۵۰.....۵۲﴾

وَقَالَ الْمَلِكُ الْتَوَيْتُ بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسئَلَهُ مَا بِآلِ الْيَتَامَىٰ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس، مگر جب پہچانے کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاندان کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حاجت ہے

الَّتِي قَطَعْنَ عَنْ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ

ان عورتوں کی جنہوں نے کٹے تھے ہاتھ؟ میرا رب تو ان کا رعب ب جانتا ہے ۵۰ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حاجت ہے تمہاری بے تم نے پھلانا چاہا

يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ بَلَدُ مَا حَلَمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّبِيُّ

یوسف کو اس کے نفس کی حماقت سے؟ بولیں ماشاء اللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی بولی عورت مزیز کی اب کل گئی عجیب بات، میں نے

حَصَّصَ الْحَقَّ أَنَا وَأُودُّتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَبِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۵۱﴾ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ

پھلانا چاہتا تھا اس کو اس کے حق سے اور وہ سچا ہے ۵۱ یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ مزیز معلوم کر لے کہ میں نے اس کی

بِالْغَيْبِ وَإِنَّ اللَّهَ لَلْمُهَيِّدِ الْكَافِرِينَ ﴿۵۲﴾

چوری نہیں کی چھپ کر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دعا بازوں کا ۵۲

تسہیل: یہ تعبیر سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لاؤ، جب بادشاہ کا

قاصد یوسف کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا، اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس

سے ان عورتوں کے بارے میں دریافت کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے کہ وہ

میرے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ بے شک میرا رب ان کی مکاری سے خوب واقف ہے O بادشاہ نے ان عورتوں کو بلا کر ان سے پوچھا کہ جب تم نے یوسف کو بہکانے کی کوشش کی تھی، اس وقت کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ عورتوں نے جواب دیا، حاشا للہ! ہمیں یوسف میں ذرہ بھی برائی نظر نہیں آئی، یہ سن کر عزیز کی بیوی بولی کہ اب تو سب پر حقیقت واضح ہو گئی ہے، میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بے شک وہی سچا ہے O یوسف علیہ السلام نے فرمایا، میں نے یہ اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ عزیز خوب اچھی طرح جان لے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں خیانت نہیں کی اور بے شک اللہ خیانت بازوں کا مکرو فریب چلنے نہیں دیتا O

﴿تفسیر﴾

﴿۵۰﴾..... بادشاہ نے ساقی کی زبان سے خواب کی تعبیر اور پھر حالات سے نمٹنے کی تدبیر سنی تو وہ نہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی وسعت علمی، ذہانت، دوراندیشی اور ہمدردی کا قائل ہو گیا بلکہ اس کے دل میں ان کی زیارت اور ملاقات کا شوق بھی پیدا ہو گیا، اس نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسف کو جیل سے رہا کر کے میرے پاس لے آؤ۔

جب بادشاہ کا نمائندہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا جب تک اس الزام کی تحقیق نہ ہو جائے جو عزیز کی بیوی نے آپ پر لگایا تھا، الزام تو اس اکیلی نے لگایا تھا مگر آپ نے احسان شناسی، مروت اور طبعی حیا کی بناء پر مصمتن طور پر اسے ہدف بنانے کے بجائے ان تمام خواتین سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے تھے۔

تحقیق کا مشورہ آپ نے اس لیے دیا تھا کیونکہ اپنے منصب کی عظمت اور اہمیت کا

احساس آپ کے دل میں تھا، آپ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کے کردار پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع ہاتھ آئے۔

ایک اشکال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿وَلَوْلَبِثَّتْ فِي السَّجْنِ مَالِثٌ﴾ "اگر میں اتنی دیر جیل میں رہتا جتنی دیر یوسف علیہ السلام رہے اور پھر مجھے رہائی کے لیے بلا یا جاتا تو فوراً قبول کر لیتا۔" {۹۹}

اس روایت کے حوالے سے اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ بظاہر افضل تھا اور آپ اپنے لیے جس طرز عمل کو پسند فرما رہے ہیں وہ مفضل ہے، حالانکہ سید الانبیاء ﷺ ہونے کی حیثیت سے یہ چیز آپ کے شایان شان نہیں۔

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے پیغمبر کو کسی جزوی عمل میں فضیلت کا حاصل ہو جانا اس کلی فضیلت کے منافی نہیں جو حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیمت پر عمل کیا اور آپ اپنے اور اپنی امت کے لیے رخصت کو پسند فرما رہے ہیں، چونکہ بادشاہوں کا مزاج بدلنے میں دیر نہیں لگتی اس لیے ایسے مواقع پر شرطیں لگانا مناسب نہیں ہوتا، ممکن ہے بادشاہ کی رائے بدل جائے اور پھر تادیر جیل کی کال کو ٹھری میں رہنا پڑے، اللہ کے نبیوں کا معاملہ دوسرا ہے، اول تو انہیں بعض اوقات مستقبل کے حوالے سے بتا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ وحی اور الہام کی روشنی میں اٹل موقف اختیار کر لیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جن اعلیٰ اخلاق اور صبر و استقامت جیسی صفات سے انبیاء متصف ہوتے ہیں، عام امتی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، حضور اکرم ﷺ سر پائے شفقت و رحمت

ہونے کی وجہ سے اپنی امت کے لیے یسر اور آسانی پسند فرماتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا:

﴿يَسِّرُوا وَلَا تَعْسِرُوا وَبَشِّرُوا﴾ ”آسانی پیدا کرنا، لوگوں کو مشکلات میں نہ  
ولاتنفرأ﴾ (۱۰۰) ڈالنا، خوشخبری دینا اور معتز نہ کرنا۔“

﴿إِنَّ زَيْنًا بَكِيَّةً مِنْ عَالِيَةِ مِيرَابٍ﴾ میرا رب تو ان عورتوں کے مکر و فریب کو جانتا ہی ہے (۱۰۱) جنہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی، میں چاہتا ہوں کہ عام لوگوں پر بھی حقیقت واضح ہو جائے۔

﴿۵۱﴾..... بادشاہ نے ان عورتوں کو دربار میں بلا کر ان سے یوسف والے معاملے کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا، اس کا سوال تو بظاہر ساری عورتوں سے تھا مگر اصل خطاب عزیز کی بیوی سے تھا۔ (۱۰۲)

دربار میں آئی ہوئی آزاد خیال لیڈیاں بیک زبان بول اٹھیں کہ ہمیں یوسف کے دامین سیرت پر معمولی سا دھبہ بھی نظر نہیں آیا، یہ وہ موقع تھا کہ زوجہ عزیز نے بھی اپنی غلطی اور یوسف کی پاکدامنی تسلیم کر لی۔

﴿۵۲﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں (۱۰۳) کہ میں نے یہ سارا اہتمام اس لیے کیا ہے تاکہ سب کے سامنے میری براءت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے اور عزیز اگرچہ اس واقعہ کی حقیقت پہلے ہی جانتا ہے مگر اسے مزید یقین آ جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی خیانت نہیں کی۔

”مصری تہذیب و تمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی

(۱۰۰) (بخاری ۲، کتاب الأدب / ۹۰۳)

(۱۰۱) أراد انہ کید عظیم لایعلمہ الا اللہ (کشاف ۲ / ۳۵۱)

(۱۰۲) ”راودتن“ وان کانت صیفة الجمع فالمراد منها الواحدة (کبیر ۱۸۰۶ / ۳۶۸)

(۱۰۳) وقد قبل: ان ذلك من کلام یوسف علیہ السلام (ابن کثیر ۲ / ۲۲۶)



شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت۔“ (۱۰۴)  
 بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آخری آیت میں زوجہ عزیز کا کلام مذکور ہے، وہ  
 یہ کہنا چاہتی ہے کہ میں نے حقیقت کا اعتراف اس لیے کیا ہے تاکہ یوسف جان لے  
 کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں نہ تو اسے بدنام کیا ہے اور نہ ہی اس کی عفت  
 و طہارت پر کوئی داغ لگایا ہے۔ (۱۰۵)

حکمت و ہدایت:

۱..... باعمل اہل علم کو یقیناً عزت حاصل ہوتی ہے شئی کہ ان کے دشمن بھی ان کی فضیلت  
 تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ (۵۰)

۲..... وہ علم جس کے ساتھ عمل صالح بھی ہو، دنیوی اور اخروی مصائب سے نجات کا  
 ذریعہ بنتا ہے۔ (۵۰)

۳..... اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے مقاصد پورا کرنے کے لیے خود ہی غیبی تدابیر  
 سے انتظام فرماتے ہیں، ان کو کسی مخلوق کا ممنون احسان کرنا پسند نہیں  
 فرماتے..... ساقی کو بادشاہ کے سامنے خواب کا تذکرہ کرنا یاد نہ رہا، اللہ نے  
 بادشاہ کو خواب دکھا دیا جو بالآخر رہائی اور عزت افزائی کا سبب بن گیا۔

۴..... صبر و وقار، حلم اور بردباری، عزت نفس کا احساس اور تحفظ انبیائے کرام علیہم  
 السلام کے اخلاق میں سے ہے۔ (۵۰)

۶..... زلیخا نے، اگرچہ غلطی ہو گئی تھی مگر اس کی اس خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے  
 برسر عام اپنی غلطی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کا اقرار کر لیا۔ (۵۱)

۷..... خیانت اور مکاری کا انجام کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ (۵۲)

(۱۰۴) (تفسیر ماجدی ۲/۶۱۶)

(۱۰۵) "ذلك ليعلم" کلام اسراء العزيز والمعنى:..... ما احدث الذنب عليه عند  
 شهيدته (کبير ۱۸۰۶/۳۶۸)

## حضرت یوسف علیہ السلام کی ریاست و وزارت

﴿۵۳.....۵۷﴾

وَمَا أَدْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے نفس کو بے شک ہی تو سکھاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بے شک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان 0

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں نالیں کر رکھوں اس کو اپنے کام میں بھر جب بات چیت کی اس سے، کہا اٹھ اٹھنے آج سے ہمارے پاس

مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿۵۵﴾ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا

جگہ پالی معتبر ہو کر 0 یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر، میں تمہارا ہوں خوب جاننے والا 0 اور یوں قدرت دی

لِيُؤَسِّفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا أَمْرًا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ

ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَالْأَجْرَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾

ہم بدلہ بھلائی والوں کا 0 اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں 0

تسہیل: اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا کیونکہ نفس برائی کا راستہ دکھاتا ہے، البتہ

جس پر میرا رب رحم کرے وہ اس کے شر سے بچ جاتا ہے، بے شک میرا رب بہت بخشنے

والا اور بے حد مہربان ہے 0 بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ، میں

اسے صرف اپنے معاملات کے لیے مخصوص کر لوں گا، جب حضرت یوسف علیہ السلام

کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور اسے ان سے بات چیت کا موقع ملا تو اس نے ان سے

کہا، آج سے تم ہمارے پاس معزز اور معتبر ہو 0 یوسف نے کہا، مجھے وزیر خزانہ

بنا دیجیے کیونکہ میں دیانتداری سے حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور حساب کتاب سے بھی

خوب واقف ہوں 0 جیسے ہم نے جیل سے آزادی کی صورت میں یوسف پر انعام کیا

تھا یونہی ہم نے اسے ملک مصر میں بااختیار بنا کر انعام کیا، وہ جہاں چاہتے تھے رہتے

تھے، ہم جس پر چاہتے ہیں اپنی رحمت متوجہ کر دیتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ○ البتہ آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے کہیں زیادہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور تقویٰ پر قائم رہے ○

### ﴿تفسیر﴾

﴿۵۳﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے جو اہتمام کیا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے اپنے زہد و تقویٰ پر ناز ہے کیونکہ ہر انسان کی طرح میرے ساتھ بھی نفس لگا ہوا ہے اور ہر نفس طبعی طور پر شہوات اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے {۱۰۶} سوائے اس نفس {۱۰۷} کے جس پر اللہ رحم کرے اور اسے گناہوں سے بچنے اور نیکی کی راہ پر استقامت کی توفیق عطا فرمادے، جیسا کہ اولیاء اور صلحاء کو توفیق مل جاتی ہے، انبیاء کا معاملہ صلحاء اور اولیاء سے بھی برتر ہے کہ انہیں نفسِ بشری کے ساتھ ایک نفسِ پیبری بھی عطا کیا جاتا ہے، انہیں ہمہ وقت دربارِ الہی میں حضوری کی کیفیت حاصل رہتی ہے، یہ کیفیت اور ملاءِ علی سے شدید تعلق نفسِ امارہ کے تقاضے کے باوجود انہیں گناہ سے بچائے رکھتا ہے، اسی کا نام ”محصومیت“ ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ”ما“ کا لفظ وقت اور زمانے کے لیے استعمال ہوا ہے {۱۰۸} جبکہ اوپر ہم نے جو تفسیر بیان کی ہے، اس میں ”ما“ کو ”من“ کے معنی میں لیا گیا ہے۔

{۱۰۶} ای لست أقول هذا أقضاء بان النفس بریة من ارتکاب الذنوب  
(التحریر والتنویر، الجزء الثالث عشر/۶)

{۱۰۷} ای الالفنا رحمہا رتی لصرن عنها السوء والفحشاء (تفسیر المراغی ۴/۱۳)

{۱۰۸} ”الآمارحم رتی“ ای الاولت رحمة رتی..... (کبیر ۲/۱۸۰، ۴۷۰)

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ شیطان ہر شخص کو برائی کا حکم دیتا ہے سوائے اس شخص کے جس پر اللہ رحم کرے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ شیطان ہر وقت برائی کا حکم دیتا ہے سوائے اس وقت کے جب اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ (۱۰۹)

﴿لَنْ نَرِيَنَّ غَفُورًا ذِيًّا﴾ اس کی شان غفوری کا تقاضا یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کر دے اور نفسِ امارہ کو توامہ (برائی پر ملامت کرنے والا) بنا دے، جبکہ شانِ رحیمی کی وجہ سے انبیاء کو نفسِ مطمئنہ عطا کرتا ہے اور صدقِ دل سے توبہ کرنے والوں کو گناہوں کے آثار اور غلاظتوں سے پاک کر دیتا ہے۔

﴿۵۳﴾..... بادشاہِ مصر نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کردار، اعلیٰ اخلاق، پیغمبرانہ معصومیت اور انتظامی صلاحیت کے بارے میں سنا تو اپنے کارندوں سے کہا، ان صلاحیتوں اور سیرت و کردار کے حامل شخص کو جیل میں رکھنا زیادتی ہے، اسے تو کسی شاہی منصب پر فائز ہونا چاہیے، بادشاہ کا یہ فیصلہ تو ان حکایات کے بناء پر تھا جو اس نے اپنے با اعتماد لوگوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سنی تھیں، جب اسے زبرد گفتگو کا موقع ملا تو وہ ان کے علم و فضل اور حسنِ ادب کا گرویدہ ہو کر رہ گیا اور اس نے فوراً انہیں اعلیٰ سرکاری منصب کی یہ کہتے ہوئے پیشکش کر دی کہ ”آج سے تم ہمارے ہاں معزز اور معتبر ہو“ یوسف علیہ السلام اور بادشاہ کے دین و عقیدہ اور نسل و نسب میں از حد تفاوت کے باوجود بادشاہ کے تاثر کو سیرت کے معجزہ کے علاوہ کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

کہا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے سے پہلے غسل کر کے نیا لباس پہنا، اور بادشاہ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے یہ دعا مانگی:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِعَبْرِكَ مِنْ "اے اللہ! میں تجھ سے تیری خیر کے واسطے سے  
خیرہ و اعدو ذہن تک و قدر تک اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور تیری ۶ ت  
من شرہ﴾ (۱۱۰) و قدرت سے اس کے شر سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔"

توریت میں ہے:

"اور فرعون نے یوسف سے کہا، چونکہ تجھے خدا نے یہ سب کچھ سکھایا ہے، سو کوئی  
تجھ سے اعلیٰ و دانشور نہیں ہے، میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری  
کر، فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔" (۱۱۱)

﴿۵۵﴾..... یوسف علیہ السلام نے نفع رسانی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کہا کہ مجھے  
مصر کے خزانوں پر مامور کر دیجیے۔ "خزائن" جمع ہے خزانہ اور خزانہ کی اس سے  
مراد غلے کے گودام بھی ہو سکتے ہیں اور ملک کے تمام ذرائع پیداوار بھی۔ مقصد یہ تھا کہ  
اگر آپ مجھے کوئی عہدہ دینے اور میری صلاحیتوں سے استفادہ کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو  
میرے خیال میں اس کی مناسب شکل یہ ہے کہ محاصل اور مالیات کا سارا نظام میرے  
حوالے کر دیجیے تاکہ میں اپنی صوابدید سے اس میں تصرف کر سکوں اور خوشحالی اور قحط کے  
سالوں میں اقتصادی توازن پیدا کر سکوں اور عوام کو مشکلات سے بچا سکوں۔

﴿إِنِّي حَفِيظٌ حَلِيمٌ﴾ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جس دیانت اور  
علم کی ضرورت ہے، اللہ نے مجھے اس سے نوازا رکھا ہے۔

﴿۵۶﴾..... جس طرح ہم نے یوسف کو قید سے رہائی دی تھی، یونہی ہم نے عجیب و غریب  
طریقے سے اسے مصر میں اقتدار عطا کر دیا، کل کا بے بس قیدی اور مملوک آج کا خود مختار،  
آزاد اور مالک بن گیا، انہیں مکمل اختیار حاصل تھا کہ وہ جس علاقے کا چاہیں دورہ کریں،  
جہاں چاہیں رہائش اختیار کر لیں اور مملکت کی اصلاح کے لیے جو چاہیں آرڈر جاری

(۱۱۰) (کتاب ۲/۳۵۳، دار احیاء التراث العربی)

(۱۱۱) (عہد عتیق، لکھنؤ باب ۳۱: ۳۹-۴۰ ص ۵۱)

کریں، کار پردازان سلطنت پر لازم تھا کہ ان کے احکام کی بلاچون و چرا تعمیل کریں۔  
﴿ثَوْبٌ بِرَحْمَتِكَ﴾ آیت کریمہ کے اختتامی جملے میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے،  
ایک تو یہ کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے، اس کا ہاتھ کوئی روک نہیں سکتا۔  
دوسری یہ کہ جو حسن و احسان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اللہ ان کا اجر ضائع نہیں  
کرتا، بسا اوقات انہیں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن انجام کار میں عزت اور  
کامیابی انہی کے حصے میں آتی ہے۔

﴿۵۷﴾..... دنیا میں محسنین کے حسن عمل، ایثار و احسان اور صبر و استقامت کا جو اجر  
انہیں ملتا ہے وہ تو خیر ملتا ہے، آخرت میں انہیں جو اجر و ثواب ملے گا اس کا دنیا میں  
تصور بھی مشکل ہے اور حقیقی محسن وہ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات سے متصف  
ہوں۔ پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی دو حقیقتوں کی وضاحت ہے:

پہلی حقیقت یہ کہ یوسف علیہ السلام کو جو عزت اور اقتدار ملا، اسے ان کے صبر و  
استقامت کا کل معاوضہ نہ سمجھا جائے کیونکہ دنیا کا مال و متاع اور تخت و تاج کچھ بھی  
حیثیت نہیں رکھتا آخرت کی بے بدل اور بے مثال نعمتوں کے مقابلے میں، جیسا کہ  
حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ "یہ ہماری عطا ہے، چاہو تو احسان کرو اور

چاہو تو رکھ چھوڑو، تم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، اور بلاشبہ ان کے لیے ہمارے ہاں

خالص قرب اور اچھا لگنا ہے۔"

دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ وہ نعمتیں جو اللہ کی طرف سے بطور انعام ملتی ہیں،  
ان کی بنیاد ایمان و تقویٰ پر ہوتی ہے۔

## حکمت و ہدایت:

۱.... نفس کی طرف سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بہر حال بدی کی ترغیب دیتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ انسان اس کے بہکاوے میں آئے یا نہ آئے، حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر سرورِ دو عالم ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا: ”تمہاری اپنے اس دوست کے بارے میں کیا رائے ہے جس کی اگر تم عزت کرو اور اسے کھلاؤ اور پہناؤ تو وہ تمہیں بدی کی طرف لے جاتا ہے اور اگر تم اس کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کرو اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤ تو وہ تمہیں نیکی کا راستہ بتاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو دنیا کا بدترین دوست ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ دوست تمہارے وہ نفوس ہیں جو تمہارے پہلوؤں کے درمیان ہیں۔“ (۵۳)

۲.... کسی بھی انسان کے لیے نیکی کا کرنا اور برائی سے بچنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ (۵۳)

۳.... مذکورہ آیت میں ہر نفسِ انسانی کو ”أَمَانًا بِالنَّفْسِ“ (برائی کی ترغیب دینے والا) بتایا گیا ہے جبکہ سورہ قیامہ میں نفسِ انسانی کو ”لَوَامٍ“ کا لقب دے کر اس کی قسم کھائی ہے اور سورہ فجر میں اسے ”مطمئنۃ“ کا لقب دے کر رحمت کی بشارت دی ہے، ان مختلف آیات میں علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ ”ہر نفسِ انسانی اپنی ذات میں تو ”أَمَانًا بِالنَّفْسِ“ یعنی برے کاموں کا تقاضا کرنے والا ہے لیکن جب انسان اللہ اور آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے پورے نہ کرے تو اس کا نفس ”لَوَامٍ“ بن جاتا ہے یعنی برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے

توبہ کرنے والا، جیسے عام صلحائے امت کے نفوس ہیں، اور جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت میں پہنچا دے کہ برے کاموں کا تقاضا ہی اس میں نہ رہے تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے، صلحائے امت کو یہ حال مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی اس حالت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا، اور انبیاء علیہم السلام کو خود بخود عطاۃ الہی سے ایسا ہی نفس مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی حالت پر رہتا ہے، اس طرح نفس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین طرح کے افعال اس کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ {۱۱۳}

۴..... مشہور عربی محاورہ ہے ”المرء مغبور تحت لسانہ“ (انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوتا ہے) اس محاورہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ بادشاہ مصر بات چیت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا گرویدہ ہو گیا۔ (۵۴)

۵..... علمی اور اخلاقی کمال انسان کے لیے عزت و مرتبہ کی راہ، ہموار کرتا ہے۔ (۵۴)

۶..... ایسا شخص جسے اپنی ذات، دینداری اور علم پر اعتماد ہو اور اس کا مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی عہدہ اور منصب کے لیے پیش کرے بلکہ کافرانہ نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ قبول کرنا حرام نہیں۔ {۱۱۳}

کیا اپنی تعریف جائز ہے؟

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں اپنی تعریف سے اور حدیث میں طلب

{۱۱۳} (معارف ۵/۸۷)

{۱۱۳} وفيه دليل على جواز طلب التولية والالظهار انه مستعد والتولى من يد الكافر اذا علم أنه لا سبيل إلى إقامة الحق وسياسة الخلق إلا بالالظهار به (بيضاوي ۳/۲۹۵)



عہدہ سے منع کیا گیا ہے، سورہٴ نجم میں ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (۱۱۵) ”اپنے نفسوں کا تزکیہ بیان نہ کیا کرو۔“

اور حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَسْأَلُ الْأَمَارَةَ﴾ (۱۱۶) ”امارت اور عہدے کا سوال نہ کرو۔“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو نااہل ہوں یا جو مادی اور ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اپنی قصیدہ خوانی کریں۔

اسی طرح حدیث میں طلب عہدہ سے ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس کا حق ادا نہ کر سکتے ہوں یا ان کا مقصد شکم پروری ہو، یونہی اگر ان سے بہتر لوگ موجود ہوں تو بھی انہیں عہدے کا سوال نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے معصوم نبی تھے، ہمیں ان کے بارے میں سو فیصد یقین ہے کہ وہ رضائے الہی کے طالب اور مخلوق باری تعالیٰ کی نفع رسانی کے آرزو مند تھے، دوسری جانب قحط سالی کی صورت میں جو مشکل دور آنے والا تھا، اس سے نمٹنے کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، کارپردازان حکومت میں ان صلاحیتوں کا حامل کوئی دوسرا نظر نہیں آتا تھا، ان حالات میں ان پر لازم تھا کہ وہ اس اہم منصب کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کرتے۔

۷..... فاسق و فاجر بلکہ کافر شخص کی حکومت، فیکٹری اور کارخانے میں بھی ملازمت کرنا جائز ہے۔ (۵۵)

۸..... تجارت اور ملازمت ہو یا حکومت اور وزارت..... ولایت تو کیا نبوت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتے ہیں۔ (۵۵)

- ۹..... احسان نظریہ اور عقیدہ میں ہو یا قول و عمل میں، اللہ کو بہت پسند ہے۔ (۵۵)
- ۱۰..... آخرت میں اجر و ثواب ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر ملے گا نہ کہ حسب و نسب کی بنیاد پر۔

## برادرانِ یوسف کی آمد

﴿ ۶۲.....۵۸ ﴾

وَجَاءَ إِخْوَتَا يُوسُفَ فَنَدَخُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمُ

اور آئے بھائی یوسف کے بھراٹھل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو، اور وہ نہیں پہچانتے تھے ۵ اور جب تیار کر دیا ان کو  
بجھڑھمہ قال انثوتی یاخ لکم من ابيکم الا ترون انی اونی الکلیل وان اخیتر

ان کا اسباب کہالے آئیو میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ٹاپ اور خوب طرح  
المنزلین ﴿۵۹﴾ فان لمتانوتی یہ فلا کلیل لکم عنیدی ولا تقرابون ﴿۶۰﴾ قالوا ستر اود

اور ان ہوں بھائیوں کو ۵ بھراٹھل کو نہ لائے میرے پاس تو تمہارے لیے بھراٹھل نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آئو ۵ بولے ہم خواہش کریں گے  
عنه اباہ وان الفعلون ﴿۶۱﴾ وقال لفتینہ اجعلوا بضاعتہم فی رحالہم لعلہم

اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے ۵ اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں  
بیرقونہا اذ انقلبوا الی اہلہم لعلہم یرجعون ﴿۶۲﴾

شاید اس کو پہچانیں جب پھر کہ پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں ۵

تسہیل: قحط سے پریشان ہو کر یوسف کے بھائی مصر آئے تو انہیں یوسف نے پہچان  
لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے ۵ اور جب یوسف نے ساتھ لے جانے کے لیے  
بھائیوں کے لیے غلہ تیار کر دیا تو انہیں رخصت کرتے وقت کہا، اگر دو بارہ آنا ہو تو  
اپنے سوتیلے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لانا، تم نے یہ تو دیکھ ہی لیا ہے کہ میں غلہ بھی  
پورے ٹاپ سے دیتا ہوں اور میزبانی بھی خوب کرتا ہوں ۵ اگر تم بنیامین کو نہ لاسکتے تو  
تمہیں نہ تو میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ ہی میرے قریب پہنکنے کی اجازت

ہوگی ○ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم بنیامین کے بارے میں اس کے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، آپ مطمئن رہیں کہ ہم یہ وعدہ ضرور نبھائیں گے ○ جب وہ مصر سے روانہ ہونے لگے تو یوسف نے اپنے خادموں سے کہا کہ یہ جو پونجی لے کر آئے تھے، اسے ان کے سامان میں چھپا کر رکھ دو، امید ہے کہ جب یہ اپنے گھر پہنچیں گے تو اسے پہچان لیں گے اور امید یہ بھی ہے کہ یہ دوبارہ واپس آئیں گے ○

### ﴿تفسیر﴾

﴿۵۸﴾..... تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو وزارت ملنے کے بعد ابتدائی سات سال بڑی خوشحالی رہی، زمین نے خوب پیداوار دی، آپ نے اسے جمع کرنے پر بھرپور توجہ دی، اس کے بعد قحط کا دور شروع ہوا اور وہ بھی سات سال پر محیط رہا اور اس نے نہ صرف مصر بلکہ گرد و پیش کے علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، کنعان کا علاقہ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد رہائش پذیر تھی، وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا، حضرت یوسف علیہ السلام نے جمع شدہ غلہ انتہائی احتیاط سے حاجت مندوں میں تقسیم کرنا شروع کیا، شہرت سن کر در دراز سے لوگ آنے لگے، وہ اپنے لیے بھی غلہ حاصل کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لیے بھی، راشن بندی کے نظام کے تحت کسی شخص کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہ دیتے تھے، ہمارے وزن کے اعتبار سے پانچ من سے کچھ زائد مقدار بنتی ہے، خود حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے وزراء کا یہ حال تھا کہ وہ دن میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے تھے، اسی قحط کے زمانے میں برادران یوسف نے بھی مصر کا رخ کیا، تو ریت میں ہے:

”اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی، پھر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو مطلق روٹی کے لیے فرعون کے آگے

چلائی..... اور تمام روئے زمین پر کال تھا..... اور ملکوں کے لوگ اناج مول لینے کے لیے ملک مصر میں یوسف کے پاس آنے لگے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا (۱۱۷)..... سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے۔“ (۱۱۸)

جب یہ دس کنعانی نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا، اس میں آپ کی ذہانت و فراست کے علاوہ بھائیوں کے خدو خال میں زیادہ تبدیلی نہ ہونے کا بھی دخل تھا، اس لیے کہ جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے، وہ سب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور جوانی کے بعد انسان کے چہرے مہرے میں بہت کم تغیر واقع ہوتا ہے، جبکہ آپ بچے تھے اور لڑکپن کے نقشے اور جوانی کے بعد کے نقشے میں فرق ہوتا ہے، پھر کہاں وہ کمزور سا غلام جسے وہ جنگل کے کنویں میں ڈال آئے تھے اور کہاں اتنی بڑی سلطنت کا خود مختار وزیر اعظم! کنعانی نوجوان سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ کنعان کے ویران کنویں میں پھینکا جانے والا بچہ مصر کا حکمران ہو سکتا ہے، اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور اسی طرح آپ کے سامنے پیش ہوئے جیسے دوسرے حاجتمند بڑی نیاز مندی اور عاجزی سے پیش ہو رہے تھے۔

توریت میں ہے:

”سو یوسف کے بھائی آئے، یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور پہچان گیا.....

یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچانا پر انہوں نے اسے نہ پہچانا“ (۱۱۹)

﴿۶۰﴾..... راشنک کا جو نظام اللہ کے نبی نے بنایا تھا، اس میں طے کیا گیا اصول یہی

(۱۱۷) (عہد عتیق، تکوین، باب ۴۱: ۵۲-۵۴/ص ۵۲)

(۱۱۸) (عہد عتیق، تکوین، باب ۴۲: ۳/ص ۵۲)

(۱۱۹) (عہد عتیق، تکوین، باب ۴۲: ۷-۸/ص ۵۲)

تھا کہ غلہ کی ایک خاص مقدار ہر سائل کو ملتی تھی جبکہ غائب کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا، یعنی کنعانی قافلہ نے اپنے والد اور بھائی کا حصہ مانگا ہوگا، ادھر حضرت یوسف علیہ السلام سالوں سے پھنڈے ہوئے بھائی اور پدر بزرگوار سے نہ صرف ملاقات چاہتے تھے بلکہ ان کا تذکرہ بھی ان کے لیے باعث تسکین تھا، ان کا ذکر آ ہی گیا تو صاف کہہ دیا کہ بوڑھے شیخ کو تو مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے مگر نوجوان بھائی کی حاضری ضروری ہے، اگر تم اسے نہ لاسکتے تو خود تمہیں بھی کچھ نہیں ملے گا۔

﴿الَاتَّوَنَ﴾ ایک ایسا حکم جس میں کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں، اس کی تعمیل پر آمادہ کرنے کے لیے اپنی خوش معاملگی اور مہمان نوازی کا ذکر کر دیا اور یہ تقویٰ کے منافی ہرگز نہیں تھا۔

﴿۶۱﴾..... جواب میں بھائیوں نے بتایا کہ ہمیں تو چھوٹے بھائی کو لانے میں کوئی اعتراض نہیں، اصل مسئلہ ہمارے والد کا ہے، ان کے کچھ تحفظات ہیں، اپنی طرف سے ہم انہیں راضی کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے۔  
یوسف علیہ السلام کی تدبیر:

﴿۶۲﴾..... ادھر کنعانی نوجوانوں سے سوتیلے بھائی کو لانے کا وعدہ لے لیا ادھر اپنے خادموں سے یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا کہ غلہ کی خریداری کے لیے جو بھی پونجی اور مالی تجارت لے کر یہ آئے تھے، وہ بھی ان کے سامان میں رکھ دو تا کہ نقدی کا نہ ہونا دوبارہ آنے میں رکاوٹ نہ ہو اور غیر متوقع احسان و کرم سے متاثر ہو کر یہ جلد از جلد واپس آئیں۔

﴿بِضَاعَتُهُمْ﴾ عربی میں ”بضاعة“ کا لفظ نقدی اور سہ کے معنی میں نہیں، مال تجارت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿البضاعة قطعة والفرقة من المال﴾ "مال کی وہ دافر مقدار جو تجارت کے لیے  
نقتنی للتجارة﴾ (۱۲۰) رکھی جائے، اسے بضاعت کہا جاتا ہے۔"

ہمیں اس لفظ کے استعمال میں بھی قرآن کے اعجاز کا ایک پہلو سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی  
بھی دور اور ملک کا ذکر کرتے ہوئے تاریخی اور معاشی جزئیات کا لحاظ بھی خوب رکھتا  
ہے، جس زمانے میں قصہ یوسف پیش آیا، اس زمانے میں نقدی اور سکہ کا رواج نہ  
تھا، اجناس کے تبادلہ اور سونے چاندی ہی سے تجارت ہوتی تھی، قرآن نے جس لفظ کا  
انتخاب کیا ہے، اس کا اطلاق ہر قسم کے مالی تجارت بشمول اجناس پر ہو سکتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

..... جب طویل زمانہ گزر جائے تو بسا اوقات بھائی اپنے حقیقی بھائی کو اور والد اپنی قلبی  
اولاد کو پہچان نہیں پاتا بالخصوص جب وہ ایسے مقام اور مرتبہ تک پہنچ جائے جہاں  
پہنچنے کا تصور بھی محال ہو۔ (۵۸)

..... ۲ کسی جائز مصلحت کے لیے اپنی تعریف بھی جائز ہے اور ترغیب و ترہیب بھی،  
حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں طریقے استعمال کیے۔ (۵۹-۶۰)

..... ۳ اگر خشک سالی کی وجہ سے انسانوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو ہر فرد کی ضرورت کے  
مطابق حکام کی طرف سے راشن کی مقدار مقرر کرنا جائز ہے۔ (۱۲۱)

امتحان کی تکمیل:

..... ۴ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی سے اتنے  
متاثر ہوئے کہ رو رو کر بیٹائی گنوا بیٹھے، دوسری طرف یوسف علیہ السلام جو اللہ

{۱۲۰} (المفردات/۵۰)

{۱۲۱} وفي ما نص الله تعالى: ..... دلالة على ان الائمة في كل عصر ان يفعلوا مثل  
ذلك اذا خالفوا هلاك الناس من الفحط (جصاص ۱۷۶/۳)

کے نبی اور رسول ہیں، والد سے محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں اور انہیں طویل آزمائش کے بعد ہر طرح کی سہولتیں اور اختیارات بھی میسر ہیں، ان کی سیرت کا انتہائی باعثِ تعجب پہلو یہ ہے کہ انہوں نے نہ تو والد سے ملاقات کا پروگرام بنایا نہ ارادہ ظاہر کیا اور نہ ہی انہیں پیغام بھیج کر تسلی دی بلکہ الٹا اپنے دوسرے بھائی کو بھی بلوا کر انہیں مزید رنج و غم میں مبتلا کر دیا، حالانکہ کسی عام انسان سے بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ایسا کرے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی کو اپنے والد اور دوسرے اہل خاندان کو اپنے متعلق بتانے سے روک دیا تھا {۱۲۲} اس روکنے میں کیا حکمت تھی؟ ویسے تو اللہ کے فیصلوں کی حکمتوں کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی، بظاہر جو حکمت سمجھ میں آتی ہے، وہ اس امتحان کی تکمیل تھی جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ڈال دیا گیا تھا۔

## بیٹوں کی درخواست اور والد کا جواب

﴿ ۶۳..... ۶۶ ﴾

فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانَ نَكْتَلُ  
بِجُرْبِ بَنِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ بَنِي أَبِيهِمْ  
وَأَكَالُهُمْ لِخَفِظُونَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ هَلْ أَمِنَكُمُ عَلَيْهِمْ إِلَّا كَمَا أَمِنَكُمُ عَلَىٰ أَخِيهِمْ مِنْ قَبْلُ  
لَآئِمِينَ، اور ہم اس کے گمبہان ہیں ۵ کہا میں کیا اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے،

{۱۲۲} "ان قیل: کیف استجاز یوسف ادخال الحزن علیٰ ابيه بطلب اخیه؟.....  
بجوز ان یکون اللہ عزوجل أمرہ بذلك ابتلاء لیعقوب، لیعظم له الثواب فاتبع أمرہ فیہ  
(فرطی ۱۸۹/۹)

فَلِلّٰهِ خَيْرٌ حِفْظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ

سودھ بہتر ہے تمہارا بھروسہ ہے سب مہرانوں سے مہرانوں اور جب کھول اپنی چیز بست پائی اپنی پہلی کہ بھروسہ کی طرف سے  
رَدَّتْ اَبْوَابَهُمْ قَالُوْا يَا اَبَا نَبِيٍّ هٰذَا بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ اِلَيْنَا وَنَبِيْرُ اَهْلِنَا وَنَحْفَظُ

لے باپ! ہم کو لوہا کیا چاہیے؟ یہ پونجی ہماری بھروسہ ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبر داری کریں گے  
اَخْلَاوْا وَتَزَادُ اَدْكِيْلٌ يَّعِيْرُ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اَرْسِلَكُمْ مَعَكُمْ حَتّٰى تُوْتُوْنَ

اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی، وہ بھرتی آسان ہے ۝ کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ  
مَوْثِقًا مِّنْ اٰتِلِہٖ لَمَّا تَنَبَّيْ بِہٖ اِلَّا اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا اتُوْا مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی

یہاں تک کہ دو گھوڑوں کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس، مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب، پھر جب دیا اس کو سب نے عہد، بلا

مَا نَقُوْلُ وَكَيْلٌ

اللہ ہماری باتوں پر تمہارا ہے ۝

تسہیل: جب وہ سفر سے لوٹ کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہنے لگے،  
ابا جان! آئندہ ہمیں غلہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے، بس ایک ہی صورت ہے، وہ یہ  
کہ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تو ہم غلہ لاسکتے ہیں اور یقیناً ہم  
اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے ۝ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، یہ کیسے  
ممکن ہے کہ میں اس کے بارے میں تم پر ویسے ہی اعتماد کروں جیسے اس سے پہلے اس  
کے بھائی کے بارے میں تم پر اعتماد کیا تھا، میں صرف اللہ پر اعتماد کرتا ہوں، وہی سب  
سے بہتر تمہارا ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ۝  
جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی پونجی انہیں واپس کر دی گئی  
ہے، خوش ہو کر کہنے لگے، ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ دیکھیں! ہماری پونجی بھی ہمیں  
لوٹا دی گئی ہے، آپ نے اجازت دے دی تو ہم گھر والوں کے لیے دوبارہ رسد لائیں  
گے، اپنے بھائی کی خوب حفاظت کریں گے اور اس کے حصے کا بار شتر غلہ زیادہ حاصل  
کریں گے، یہ زائد مقدار دینا بادشاہ کے لیے بہت آسان ہے ۝ یعقوب علیہ السلام



نے فرمایا، میں اس وقت تک کسی بھی صورت سے تمہارے ساتھ نہیں سمجھوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام کی قسم کھا کر مجھ سے یہ پکا عہد نہ کرو کہ تم اسے ضرور واپس لاؤ گے، سوائے اس کے کہ تم بالکل ہی لاچار ہو جاؤ، جب انہوں نے قسم کھا کر پکا قول دے دیا تو آپ نے فرمایا، جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں، اس پر اللہ نگہبان ہے ۰

### (تفسیر)

﴿۶۳﴾..... برادرانِ یوسف نے سفر سے واپسی پر سارے حالات والد کو سنا کر گزارش کی کہ اب کی بار بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے ورنہ آئندہ ہم میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں ملے گا، یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارا کوئی اور بھائی تھا ہی نہیں، ہم محض جھوٹ بول کر گیارہویں کا حصہ وصول کرنا چاہتے تھے، جہاں تک اس کی حفاظت کا تعلق ہے، تو آپ اس بارے میں پریشان نہ ہوں، ہم دس پُر قوت اور شہ زور نوجوان ہیں، ہماری موجودگی میں کوئی بنیامین کا بال بیکا کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔

﴿۶۴﴾..... حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہیں بہت اچھی طرح آزما چکا ہوں، کل یوسف کی حفاظت کا بھی تم نے اسی طرح وعدہ کیا تھا مگر اس کا ایفاء نہ کر سکے، اب میں اللہ ہی کی حفاظت اور رحمت کا طلبگار ہوں کیونکہ اس سے بہتر محافظ اور اس سے زیادہ رحم کرنے والا کوئی نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس گفتگو میں طبعی تقاضوں اور ایمانی مطالبات کی حسین جامعیت پائی جاتی ہے اور یہ مقام اللہ کے مخصوص بندوں ہی کو حاصل ہوتا ہے ورنہ نیک بندوں میں سے بھی بعض پر طبعی تقاضے اور بعض پر ایمانی مطالبات غالب آجاتے ہیں۔

﴿۶۵﴾..... اب تک جو بھی گفتگو ہوئی وہ سامان کھولنے سے پہلے ہوئی تھی، جب

سامان کھولا اور دیکھا کہ غلہ کی قیمت کے طور پر جو پونجی وہ ادا کر کے آئے تھے وہ قصداً نہیں واپس کر دی گئی ہے، تو وہ خوشی سے پکارا ٹھے "مسابھی" بادشاہ کی طرف سے اس سے زیادہ اکرام اور تعاون کی ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں (۱۲۳) کہ اس نے ہماری پونجی بھی واپس کر دی اور غلہ بھی پورا دے دیا؟ ایسے مہربان انسان کے پاس تو ضرور جانا چاہیے تاکہ اس قحط سالی میں خاندان کے لیے غلہ حاصل کیا جاسکے، بنیامین کے ساتھ ہونے کی صورت میں بارشتر کے برابر غلہ مزید حاصل ہونے کی توقع ہے۔

قرآن اور بائبل:

﴿۶۶﴾.....کن کن نزاکتوں کا لحاظ ہے اللہ کے نبی کے کلام میں؟ ایک طرف سابقہ تلخ تجربے کی روشنی میں ظاہری تدابیر کی رعایت اور بیٹوں سے عہد و پیمان، دوسری جانب ان مجبور یوں اور انہونیوں کا لحاظ جن کے پیش آنے کی صورت میں انسانی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، تیسری جانب اللہ پر توکل اور شرعی تاکید۔

یہی مضمون توریت میں بھی ہے مگر بغور دیکھیے کہ قرآن اور بائبل میں کتنا فرق ہے:

"تب یہودہ نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیجیے کہ ہم اٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں، تو میرے ہی ہاتھ سے اسے طلب کیجیو اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔" (۱۲۳)

حکمت و ہدایت:

۱.....موضوع سخن کچھ بھی کیوں نہ ہو، اللہ کے نیک بندے ذات و صفات باری تعالیٰ کے

(۱۲۳) ای ماذا نطلب وراء ما وصفنا لك من احسان الملك الينا.....

(المراغي ۱۴/۱۳)

(۱۲۳) (عہد عتیق، نکوین ۴۳: ۸-۹/ص ۵۳، ۵۴)

ذکر اور اس کی حمد و ثناء کا پہلو نکال ہی لیتے ہیں..... بات ہو رہی تھی برادرانِ یوسف کی ضمانت اور اعتماد، عدم اعتماد کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے گفتگو کا رخ پھیر دیا رحمن و رحیم کی طرف، فرمایا ”قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ“

۲..... بھائیوں کی طرف سے بنیامین کی حفاظت کے زور دار وعدوں کی ایک وجہ اپنے سابقہ جرم کا احساس تھا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ والدین کی نظر میں یوسف علیہ السلام کی محبوبیت نے انہیں جس حسد میں مبتلا کر دیا تھا، وہ حسد بنیامین سے نہ تھا۔

۳..... سابقہ تجربہ کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام حساس اور چوکنا ہو گئے تھے اسی لیے انہوں نے بنیامین کے بارے میں عہد و پیمان کا زیادہ اہتمام کیا اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ ایک دفعہ ڈسے جانے کے بعد محتاط ہو جائے۔

۴..... قرآن نے ”حمل بعیر“ یعنی بارشتر کو جو صراحتاً ذکر کیا ہے تو ممکن ہے اس میں ایک حکمت بائبل کی تصحیح ہو کیونکہ بائبل میں اونٹ کے بجائے گدھے کا ذکر ہے، توریت میں ہے:

”اور انہوں نے گدھوں پر غلہ لادا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔“ (۱۲۵)

حالانکہ عرب ملکوں میں لمبے سفر میں بار برداری کے لیے گدھے کے بجائے اونٹ استعمال ہوتا ہے، خصوصاً ریگستانی صحراؤں میں تو گدھا چل ہی نہیں سکتا، خاندانِ یعقوب کے حالات کے مطالعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اونٹوں کی بہتات تھی۔

۵..... کسی سے ایسا وعدہ نہیں لینا چاہیے جس کا ایفاء اس کے اختیار میں نہ ہو، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے بنیامین کی بحفاظت واپسی کا وعدہ لیتے

ہوئے خود ہی استثناء بھی کر دیا کہ ”اگر تم کسی وجہ سے بالکل ہی لاچار ہو جاؤ“ تو تم ذمہ دار نہ ہو گے، ہمارے آقا ﷺ جب صحابہ سے اطاعت کا وعدہ لیتے تو اس میں از خود ”استطاعت“ کی قید لگا دیتے۔

۶..... اولاد سے اگر غلطی ہو جائے تو ان کی اصلاح کی فکر کی جائے، جلد بازی میں نہ تو انہیں بددعا دی جائے اور نہ ہی قطع تعلق کیا جائے، برادرانِ یوسف سے ایک نہیں کئی غلطیاں ہوئیں اور وہ بھی شدید ترین مگر پھر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں نہ تو عاق کیا نہ گھر سے نکالا بلکہ مسلسل ان کی اصلاح اور تربیت کے لیے فکر مند رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بالآخر اپنی خطاؤں پر ندامت اور ان سے توبہ کی توفیق عطا فرمادی۔

۷..... حسنِ خلق اور حسنِ معاملہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے لازمی اوصاف میں سے ہیں۔  
۸..... اصلاح کی نیت سے اگر خطا کار کو اس کی غلطی جتلا دی جائے تو کوئی حرج نہیں تاکہ وہ شرمندہ ہو کر اس سے کلی طور پر تائب ہو جائے، البتہ محض ذلیل کرنے کے لیے اسے غلطی جتلا نا جائز نہیں۔

۹..... مؤمن اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرتا ہے، وہی ہے جو اسباب میں اثر اور جان پیدا کرتا ہے، جو شخص ظاہری اسباب اور انسانوں پر حقیقی بھروسہ کرے، وہ سخت غلطی کا ارتکاب کرتا ہے۔

۱۰..... اگر اپنے سامان میں سے کسی دوسرے شخص کا مال نکلے اور مضبوط قرآن سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے ہمیں دینے ہی کے لیے ہمارے سامان میں رکھا ہے، تو اس کا لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

۱۱..... مالی ضمانت کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے مگر شخصی ضمانت کے جواز میں بعض

حضرات کا اختلاف ہے، مذکورہ آیت (۶۶) سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے اور

یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (۱۲۶)

## تدبیر اور تقدیر

﴿ ۶۷.....۶۸ ﴾

وَقَالَ يَبْنَئِي لَأَتَدَخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا

اور کہا اے بیٹو! نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور

أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ

میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے، حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہیے

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي

بھروسہ کرنے والوں کو O اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا

عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْتُوبُ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا

ان کو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے حق میں سوپوری کر چکا، اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ

عَكَّنَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۶۸﴾

ہم نے اس کو سکھایا، لیکن بہت لوگوں کو خبر نہیں O

تسہیل: یعقوب نے بیٹوں کو رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ مصر میں ایک

دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، یہ محض ایک

ظاہری تدبیر ہے ورنہ میں تمہیں اللہ کے کسی حکم سے نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا

چلتا ہے، میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ رکھنا

چاہیے O جب وہ مصر میں اپنے والد کے مشورہ کے مطابق داخل ہوئے تو وہ تدبیر

انہیں اللہ کے حکم سے نہ بچا سکی، وہ تو بس یعقوب کے دل کا ایک ارمان تھا جسے اس

{۱۲۶} (درج شدہ مسائل و ہدایات میں سے چند "سارف القرآن" سے ماخوذ ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے

"سارف" ۱۰۵/۵-۱۰۶..... مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

نے پورا کر دیا تھا، بلاشبہ یعقوب صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم عطا کیا تھا لیکن اکثر لوگ علم حقیقی سے محروم ہوتے ہیں ○

﴿تفسیر﴾

﴿۶۷﴾..... اولاد کے ساتھ والدین کی محبت بھی عجیب چیز ہوتی ہے، موہوم خطرات بھی انہیں پریشان کر دیتے ہیں، کڑیل جوان انہیں کل کے بچے نظر آتے ہیں، انبیاء اور صلحاء کے دل آلائشوں سے پاک ہونے کی وجہ سے زیادہ حساس ہوتے ہیں، تدبیر اور تقویٰ فطری جذبات کی موت کے بجائے ان کی نشوونما کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو سفر پر روانہ کرتے ہوئے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، اتفاق اور محبت سے رہنے کے بارے میں معلوم کیا کیا نصیحتیں فرمائی ہوں گی، قرآن نے ان میں سے صرف ایک نصیحت کا ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ مصر میں کسی ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس نصیحت کے پیچھے جو جذبہ کارفرما وہ انہیں حسد اور ظہر بد سے بچانے کا تھا، محبت سے بھرا ہوا دل رکھنے والے باپ نے جب اپنے گیارہ خوبصورت تو مند اور نوجوان بیٹوں کو دیکھا تو انہیں یہ خدشہ پریشان کرنے لگا کہ جب یہ گیارہ اکٹھے شہر میں داخل ہوں گے تو ان کی وجاہت اور جمعیت کی وجہ سے نگاہیں ان کی طرف ضرور اٹھیں گی، گزشتہ سفر میں بادشاہ کی طرف سے ان کا جو غیر معمولی اکرام ہوا تھا وہ بھی مصر کے شہریوں کو یاد ہوگا، کہیں انہیں دیکھ کر وہ حسد میں مبتلا نہ ہلا جائیں ﴿۱۲۷﴾ یا ان کی نظر انہیں نہ لگ جائے ﴿۱۲۸﴾ اس لیے آپ نے دو دو چار چار کی صورت میں الگ الگ

﴿۱۲۷﴾ فلم یامن علیہم حسد الناس (کبیر ۶/۱۸۰/۲۸۳)

﴿۱۲۸﴾ قال المفسرون: خاف علیہم من العین ان دخلوا مجتمعین اذ كانوا اهل جمال وھیبہ (صفوة التفسیر ۲/۵۹، دار القرآن الکریم، بیروت) وجوز ان ینکون خوفہ علیہ السلام علیہم من العین (روح المعانی ۸/۱۳/۲۳)

دروازوں سے داخل ہونے کی تاکید فرمائی۔

﴿وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ﴾ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت فرمادی کہ یہ محض ایک تدبیر ہے لیکن اگر اللہ تمہیں کسی آزمائش میں ڈالنا چاہے تو میری تدبیر تمہیں نہیں بچا سکتی، ساری کائنات پر اسی کا حکم چلتا ہے، اس کے حکم کے مقابلے میں کسی کی تدبیر اور چاہت نہیں چل سکتی، ظاہری اسباب اور تدبیریں بھی اس لیے اختیار کی جاتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے ورنہ جہاں تقدیر ہو وہاں تدبیر بے اثر ہو جاتی ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ عبرت حاصل کریں اللہ کے نیک بندوں کو معاذ اللہ! الوہیت کے منصب پر فائز کرنے والے، دیکھیں کیا تواضع اور عبدیت اور اپنی ذات کی نفی پائی جاتی ہے ان کے کلام میں اور کیسے وہ بات بات میں اللہ کی قدرت و حاکمیت اور حمد و ثناء کو لے آتے ہیں۔

﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ سب توکل کرنے والے جن میں انبیاء سر فہرست ہیں چونکہ اللہ پر توکل کرتے ہیں اسی لیے میں بھی اسی پر توکل کرتا ہوں۔ (۱۲۹)

﴿۶۸﴾..... براور ان یوسف اپنے والد کی وصیت کے مطابق مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے مگر اللہ کی طرف سے انہیں جس آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، یہ تدبیر انہیں اس آزمائش سے بچانے میں سود مند ثابت نہ ہوئی، جس حادثہ سے بچانے کے لیے والد محترم نے اس تدبیر پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا وہ حادثہ تو پیش نہ آیا اور جس حادثے سے وہ دوچار ہوئے اس کی طرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر نہیں گئی اور نہ ہی وہ کسی کے وہم و گمان میں تھا۔

﴿الْحَاجَّةُ﴾ کیسے کیسے نکلتے ہیں جو اشاروں کنایوں میں بیان ہو رہے ہیں اور

(۱۲۹) "فلیتوکل" الفاء لافادة التسیب فان فعل الانبیاء مسبب لان وقتدی بهم (بیضاری ۲۹۹/۳)

کیسے کیسے شرعی اور نسیاتی عقدے ہیں جو اللہ کی کتاب کھول رہی ہے، سمجھایا جا رہا ہے کہ تقدیر تو بہر حال ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں مگر تدبیر بھی الٰہی اور فضول چیز نہیں، اگر فضول چیز ہوتی تو اللہ کا نبی کبھی اسے اختیار نہ کرتا، معاملہ کسی ایک نبی کا نہیں تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء ﷺ نے بھی بے شمار مواقع پر مناسب تدابیر اختیار فرمائیں۔

قرآن کہتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک ارمان تھا جو انہوں نے بیٹوں کو وصیت کی صورت میں پورا کر لیا، جب دل کے جائز ارمان نکال لینا مرتبہ نبوت کے منافی نہیں تو عام مسلمان کے مقام اور مرتبہ کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟ ﴿وَرَأَيْتَهُ لَذُو عَلِيمٍ﴾ کوئی حرمان نصیب یہ نہ سمجھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو تقدیر کی طاقت اور اس کے مقابلے میں تدبیر کی بے چارگی کا علم نہ تھا، وہ صاحب علم تھے اور علم بھی کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ وہی! اسی علم نے انہیں ظاہری تدبیر اختیار کرنے مگر اسے مؤثر حقیقی نہ سمجھنے کا راستہ دکھایا تھا اور یہی تقاضا ہے علم حقیقی کا۔

حکمت و ہدایت:

..... ایک انسان کی دوسرے کو نظر لگ جانا حق ہے اور اس سے نقصان بھی ہو سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿العین حق﴾ {۱۳۰} ”نظر کا اثر ہونا ایک حقیقت ہے۔“

آپ نظر لگنے سے ان الفاظ میں اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے:

﴿أعوذ بكلمات الله التامه من كل شيطان وهامه ومن كل عين لامة﴾ {۱۳۱}

”میں اللہ کے کامل کلمات کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں ہر شیطان سے، زہریلے کیڑے سے اور نظر بد سے۔“

{۱۳۰} (بخاری ۲، کتاب الطب / ۸۵۳)

{۱۳۱} (ابن ماجہ، کتاب الطب / ۲۵۱)



اور حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما پر ان کلمات سے دم فرماتے تھے:

﴿واعیذکما بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل

عین لامۃ﴾ (۱۳۲)

اور دم کے بعد فرماتے کہ: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت اسماعیل اور

حضرت اسحاق علیہما السلام پر یونہی دم کیا کرتے تھے۔“ (۱۳۳)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں دن کے ابتدائی حصے

میں رسولِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ سخت تکلیف

میں ہیں، پھر میں دن کے آخر میں گیا تو آپ کو افاقہ ہو چکا تھا، آپ نے خود ہی بتایا

کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے یہ دعا پڑھ کر مجھے دم کیا:

﴿بسم اللہ ارقیک من کل شیء﴾ ”اللہ کے نام سے ہر ایسی چیز سے آپ پر دم

کرتا ہوں جو آپ کو تکلیف دیتی ہے اور ہر

ظلم بد اور حاسد سے، اللہ آپ کو بیماری سے

اللہ یشفیک﴾ (۱۳۴)

شفا عطا فرمائے۔“

ہمارے آقا ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی چیز پسند آئے تو اس کے لیے

برکت کی دعا کیا کرو، اس طرح وہ نظرِ بد کے اثر سے محفوظ رہے گی اور اگر کسی کو نظر لگ

ہی جائے تو اس کے دفعیہ کی تدبیر یہ بتائی گئی ہے کہ جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس

کی نظر لگی ہے، اس کے وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کر کے نظر زدہ پڑا لا جائے۔

صحابہ کرام میں حضرت اہل بن خلیف کا واقعہ مشہور ہے کہ انہیں حضرت عامر بن ربیعہ

کی نظر لگ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے عامر کو وضو کرنے اور ان کے وضو کا پانی اہل بن

(۱۳۲) (ابوداؤد، کتاب شرح السنۃ/۳۰۴)

(۱۳۳) (المرجع السابق نفسه والصفحة نفسها)

(۱۳۴) (مسند احمد ۶/۳۳۲-۳۳۳، ۲۸/۳، ۵۶-۵۸، ۱۵۱)

خُفیف کے بدن پر ڈالنے کا حکم دیا، حکم کی تعمیل کی گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گئے، آپ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿عَلَامٌ يَقْتُلُ أَحَدَكُمْ إِخْوَاهُ﴾ "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تم نے ان کا خوبصورت بدن دیکھ کر ان کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ کیا جانتے نہیں کہ نظر کا اثر ہو جانا حق ہے؟"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی دوسرے کے جان و مال میں کوئی چیز اچھی لگے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرنی چاہیے، بعض روایات میں ہے کہ "ما شاء الله لا قوة الا بالله" کہنے سے نظر بد کا اثر جاتا رہتا ہے۔

۲..... لوگوں کے حسد سے بچنے کے لیے اپنی مخصوص نعمتوں اور اوصاف کا چھپانا درست ہے۔ (۶۷)

۳..... ظاہری تدبیر اور اسباب کا اختیار کرنا نہ شانِ انبیاء کے خلاف ہے اور نہ ہی توکل کے منافی ہے، البتہ ان کو مؤخر حقیقی سمجھ لینا توکل کے منافی ہے۔ (۶۷)

۴..... اگر کسی شخص کے بارے میں ہمیں اندیشہ ہو کہ اسے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے تو اسے بچاؤ کی ممکن تدبیر کے بارے میں آگاہ کر دینا چاہیے کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ (۶۷)

۵..... تدبیر کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، تقدیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۶..... نظر بد سے بچنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے، سب سے مؤثر تدبیر مسنون دعائیں ہیں۔

۷..... حقیقی علم اللہ کی مرضیات اور ایمانیات کا علم ہے اور حقیقی صاحب علم وہ ہے جو علم پر عمل بھی کرے۔

## بھائی کو روکنے کی تدبیر

﴿۶۹.....۷۶﴾

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا خُوكَ فَلَا تَمْتَسْ بِمَا

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو، کہا تختین میں ہوں بھائی تیرا سونے کا منہ ہوا ان کا منہ  
كَانُوا يَعْتَلُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رُحْلِ أَخِيهِ ثُمَّسے جو انہوں نے کیے ہیں ۰ پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا اپنے کا پیالہ اسباب میں اپنے بھائی کے  
أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَتَاهَا الْعِيرُ لَكُمْ لَسْرِقُونَ ﴿۷۰﴾ قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴿۷۱﴾پھر پکارا پکارنے والے نے اسے قافلہ والو! تم تو ابلتے چور ہو ۰ کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف تمہاری کیا چیز کم ہو گئی؟ ۰  
قَالُوا تَفْقَدُ صُوعًا مِّنَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۷۲﴾بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیالہ اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا، اور میں ہوں اس کا ضامن ۰  
قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْتُمَا لِنُفْسٍ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَرِقِينَ ﴿۷۳﴾ قَالُوابولے قسم اللہ کی ہم کو معلوم ہے ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے ۰ بولے  
فَمَا جَزَاؤُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿۷۴﴾ قَالُوا جَزَاؤُكَ مَنْ وَجِدَ فِي رُحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُكَپھر کیا سزا ہے اس کی، اگر تم نکلے جھوٹے ۰ کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں  
كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاةِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَاجائے، ہم بھی سزا دیتے ہیں ظالموں کو ۰ پھر شروع کہیں یوسف نے ان کی خریاں دیکھی اپنے بھائی کی خرمی سے پہلے، آخر  
مِنَ وِعَاةِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِکو وہ دین نکالا اپنے بھائی کی خرمی سے، یوں راؤ تار دیا ہم نے یوسف کو وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے مگر جو  
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ تَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَاءٍ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۷۶﴾چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا ۰  
تسہیل: اور جب سب بھائی یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے تنہائی میں اپنے

بھائی سے ملاقات کر کے اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو کچھ یہ ہمارے ساتھ

کرتے رہے ہیں، اس پر غم نہ کرو O پھر جب یوسف نے واپسی کے لیے بھائیوں کا سامان تیار کر دیا تو ایک قیمتی پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھوا دیا، پھر جب یہ روانہ ہو گئے تو ایک منادی نے زور سے آواز دے کر کہا، اے قافلے والو! تم چور ہو O قافلے والوں نے پلٹ کر پوچھا، تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ O انہوں نے جواب دیا، ہمیں شاہی پیالہ نہیں مل رہا اور جو کوئی یہ پیالہ لائے گا اسے بارشتر غلہ بطور انعام دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں O انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں چوری اور فساد کے لیے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چوری کیا کرتے ہیں O بادشاہ کے خدام نے پوچھا، اچھا یہ بتاؤ اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ثابت ہوئے تو چور کی کیا سزا ہوگی؟ O انہوں نے جواب دیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ نکلے اسے اس کی سزا میں گرفتار کر لیا جائے، ہم ظالموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں O پس یوسف نے اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کی تلاشی لی پھر اسے اپنے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا، یہ تدبیر ہم نے یوسف کو بتائی تھی ورنہ ملکی قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو پکڑنے کے مجاز نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے، ہم جسے چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بالاتر کوئی علم والا ہے O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۶۹﴾..... قرآن قصوں اور کہانیوں کی کتاب نہیں، یہ تو انسان سازی کا ہدایت نامہ ہے، کوئی قصہ کتنا ہی دلچسپ کیوں نہ ہو، اس کی ساری جزئیات قرآن بیان نہیں کرتا بلکہ صرف اس حصے کے ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہے جس میں انسان مطلوب کی اصلاح و فلاح اور تعلیم و تربیت کا کوئی پہلو پوشیدہ ہوتا ہے۔

جب برادران یوسف مصر میں دوبارہ آئے تو قرآن بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام

نے مناسب موقع دیکھ کر بنیامین کو بتا دیا کہ آزمائش کے دن ختم ہو گئے ہیں، جو کچھ سوتیلے بھائی تمہارے ساتھ کرتے رہے ہیں اسے بھول جاؤ، میں تمہارا بھائی ہوں، اب تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔

اسرائیلی روایات میں جو تفصیلات ہوتی ہیں وہ ضروری بھی نہیں ہوتیں اور ساری کی ساری مبنی بر حقیقت بھی نہیں ہوتیں، بعض مفسرین ان کے ایسے حصے بیان کر دیتے ہیں جن میں دلچسپی کا کوئی پہلو ہوتا ہے یا بیچ کی کڑیوں کی کوئی تفصیل ہوتی ہے، جیسے اس موقع پر کہا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے آنے والے مہمانوں میں سے ہر دو افراد کے لیے الگ الگ کرنے کا انتظام کیا، بنیامین اکیلے رہ گئے انہیں اپنے ساتھ ٹھہرا لیا، ان سے خاندانی حالات کے بارے میں پوچھا، انہوں نے حالات بتاتے ہوئے اپنے ہلاک ہو جانے والے بھائی کا بھی ذکر کر دیا، جناب یوسف نے پوچھا، کیا تم پسند کرو گے کہ اسی ہلاک شدہ بھائی کے بدلے میں تمہارا بھائی بن جاؤں؟ بنیامین نے جواب دیا تمہارے جیسا بھائی کسے میسر آ سکتا ہے؟ مگر حقیقی بھائی کا بدل تو کوئی نہیں ہو سکتا، حضرت یوسف علیہ السلام جذباتی ہو کر رو پڑے اور بنیامین کو سینے سے لگا کر کنعان کے کنویں سے لیکر مصر کی بادشاہت تک پہنچنے کی ساری داستان سنا دی۔ (۱۳۶)۔

﴿۷۰﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا سامان تیار کروانے کے بعد وہ کٹورا اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا جس میں پانی بھی پیا جاتا تھا اور غلہ تاپنے کا کام بھی اس سے لیا جاتا تھا، پھر جب یہ کارواں، کنعان جانے کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا اور شامی مہمان خانہ کے اہلکاروں کو وہ کٹورا غائب نظر آیا تو انہیں گیارہ نوجوانوں پر مشتمل اسی کارواں پر شک گزرا جو وہاں ٹھہرا ہوا تھا، انہوں نے اس کارواں

کا تعاقب کرتے ہوئے اپنے ظن غالب کی بناء پر آواز دی کہ تم چور ہو۔ (۱۳۷)  
تدبیر کیوں؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ جو تدبیر اختیار کی اس میں چند چیزوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱..... آپ نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا، جیسا کہ آیت ۷۶ میں ہے ”اسی طرح کی تدبیر ہم نے یوسف کو سکھائی“ جب آپ نے اللہ کے حکم سے یہ تدبیر اختیار کی تو اس کے جواز میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔

۲..... جن بھائیوں کے ہاتھوں آپ خود زخم اٹھا چکے تھے، آپ کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بنیامین کو انہی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، آتے ہوئے انہوں نے اس لیے بھی حفاظت کی تھی کیونکہ اس کے بغیر انہیں غلہ ملنے کی کوئی امید نہ تھی جبکہ واپس جاتے ہوئے والد کے سامنے کیے گئے عہد و پیمان کے سوا کوئی دوسری رکاوٹ نہ تھی، مگر عہد و پیمان تو انہوں نے یوسف کے معاملے میں بھی کیا تھا۔

۳..... حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کے خادموں نے جو کچھ کیا وہ ”توریہ“ تھا، توریہ ذومعنی بات کو کہا جاتا ہے، جو بجائے خود صحیح اور سچی ہوتی ہے لیکن اس کے کہنے یا کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب مغالطہ میں پڑ جاتا ہے، توریہ نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں مصلحتِ حق کی خاطر ضروری ہو جاتا ہے، برادرانِ یوسف اگرچہ شاہی کٹورا کے چور نہ تھے مگر اس میں کیا شک ہے کہ انہوں نے یوسف کو یعقوب سے جدا کرنے میں چوروں والا کردار ادا کیا تھا۔

۴..... یہ بھی ضروری نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم ہی سے ملازمین نے

اہل کارواں پر چوری کا الزام لگایا ہو، ممکن ہے کہ شاہی پیمانہ (جو یقیناً قیمتی ہوگا) کی گمشدگی کی افواہ پھیلتے ہی ملازموں کی دوڑیں لگ گئی ہوں اور بعض قرائن کی بناء پر ان کی نظریں کنعانی قافلہ کی طرف اٹھی ہوں۔

۵..... مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ کچھ وقت کے لیے حقائق پر پردہ پڑا رہنے دیا جائے، اللہ کی طرف سے بھی بھائیوں پر افشائے راز کی اجازت نہ تھی، دوسری طرف ملکی قانون ثبوت جرم کے بغیر کسی کو اپنے پاس روکنے کی اجازت نہ دیتا تھا، ملکی قانون جبکہ منی بر عدل ہو، اس کی پاسداری ضروری ہے، اب بنیامین کو روکنے کی وہی مناسب صورت رہ جاتی تھی جو اختیار کی گئی، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ تھی اور مرؤجہ قانون بھی اس کی اجازت دیتا تھا..... اب اگلی آیت کو لیجیے:

﴿۷۱﴾..... جاتے ہوئے قافلے نے پلٹ کر پوچھا، کونسا سامان گم ہو گیا ہے جو ہم پر الزام دھرا جا رہا ہے؟

﴿۷۲﴾..... شاہی کارندوں نے بتایا، شاہی پیمانہ! اور جو کوئی اس کی دریافت میں مدد دے گا، اسے بارہ شتر غلہ بطور انعام دیا جائے گا، خشک سالی کے زمانے میں غلے کی یہ مقدار بہت بڑا انعام تھی۔

﴿وَأَتَايَا زَعِيمٍ﴾ لگتا ہے کوئی اہم سرکاری آفیسر ہوگا (۱۳۸) جس نے چلتے قافلے کو روک کر پہلے فریڈ جرم سنائی، پھر انعام کا اعلان کیا اور اس پر ضمانت بھی قبول کر لی۔

﴿۷۳﴾..... انداز گنتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مہمان ہونے کی وجہ سے

سرکاری عہدیداروں سے برادرانہ یوسف کا میل ملاپ رہا ہوگا، وہ ان کے عالی نسب ہونے سے بھی آگاہ ہو گئے ہوں گے، عام ملازمین ان کی خدمت اور دیکھ بھال میں خوشی محسوس کرتے ہوں گے، حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک غلط حرکت کا ہو جانا الگ

بات ہے ورنہ ان کی عمومی زندگی میں وقار اور سنجیدگی ہوگی، اس لیے انہوں نے چوری کا الزام سننے کے بعد جواب دیا کہ تم گزشتہ سفر میں بھی ہمارے معاملات دیکھ چکے ہو، ہمارے خاندانی پس منظر اور مقصد سفر سے بھی تم آگاہ ہو، اس لیے تم سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ہم مصر میں نہ فتنہ و فساد کے لیے آئے ہیں اور نہ ہی چوری چکاری ہمارا پیشہ ہے۔

﴿۷۴﴾..... شاہی ملازمین نے پوچھا کہ اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ثابت ہوئے تو تم خود ہی بتا دو کہ چور کو کیا سزا دی جائے؟

﴿۷۵﴾..... برادرانِ یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق جواب دیا کہ جس شخص کے پاس چوری کا مال برآمد ہو، مالک کو حق حاصل ہے کہ اسے اپنا غلام بنا کر رکھ لے۔

﴿۷۶﴾..... سرکاری کارندوں نے اپنے آقا کے حکم کے مطابق سارے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لینے کے بعد آخر میں یہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد کر لیا، اس پیالے کی برآمدگی نے سارے بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھکا دیں۔

﴿كَذٰلِكَ كَتَبْنَا لِيُوْسُفَ﴾ اللہ فرما رہے ہیں کہ اس حیلہ سازی میں ہمارے معصوم پیغمبر کو مطعون نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کی چاہت پر یہ تدبیر اختیار نہیں کی تھی بلکہ یہ راستہ ہم نے انہیں سکھایا تھا۔

﴿مَسَاكِنَ لِيَاخُذَهَا﴾ مصری قانون کے لحاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بنیامین کو گرفتار کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ چور کے بارے میں مصر کا قانون یہ تھا کہ مارنے پٹنے کے ساتھ اس سے مالِ مسروق کا دو گنا وصول کر لیا جائے (۱۳۹) لیکن چونکہ اللہ کو یہی منظور تھا کہ بنیامین کو مصر میں روک لیا جائے اس لیے خود اس کے



سرپرست بھائیوں کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ہم میں سے جس کی چوری ثابت ہو جائے، اسے غلام بنا لینے کا آپ کو اختیار ہوگا۔

حکمت و ہدایت:

۱..... قدرت حاصل ہونے کے باوجود زیادتی کرنے والے کے ماضی کو فراموش کر دینا

اور بدلتے حالات کا خوشدلی سے استقبال کرنا اہل ایمان کی شان ہے۔ (۶۹)

۲..... ایسا حیلہ اختیار کرنا جائز ہے جس سے کوئی شرعی حکم باطل نہ ہوتا ہو۔ (۷۰)

۳..... کسی مصلحت کی بناء پر تو یہ یعنی ذومعنی بات کہنا جائز ہے۔ (۷۰)

۴..... اگر ظن غالب کی بناء پر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ (۷۰)

۵..... کفالت بالمال اور کفالت بالنفس دونوں جائز ہیں {۱۴۰} یعنی ملزم کو معین وقت

اور جگہ پر حاضر کرنے یا اس کے ذمہ اگر کوئی مالی حق ہو تو اسے ادا کرنے کی

ضمانت دینا جائز ہے۔ (۷۰)

۶..... مالی کفالت کی صورت میں مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو اصل مدیون سے اپنا حق

وصول کرے یا ضامن سے، اگر اس نے ضامن سے وصول کیا تو ضامن کو حق

حاصل ہوگا کہ جتنا مال اس سے لیا گیا ہے، وہ اصل مدیون سے وصول کر لے۔

۷..... کسی مجرم کی گرفتاری یا گمشدہ چیز کی واپسی پر اجرت یا انعام کا اعلان کرنے میں

کوئی قباحت نہیں۔ (۷۰)

۸..... اللہ تعالیٰ کے معاملات اپنی مخلوق کے ساتھ مختلف ہیں، وہ کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو

ذلیل کرتا ہے، کسی کے درجات بلند کرتا ہے اور کسی کو پستی میں گرا دیتا ہے۔ (۷۶)

۹..... اس دنیا میں ہر صاحب علم سے زیادہ علم والا کوئی نہ کوئی ہے اور سب سے بڑا عالم

اللہ ہے، جیسے وہ خود لا محدود ہے اس کا علم بھی لا محدود ہے۔ (۷۶)

## بنیامین کی گرفتاری پر بھائیوں اور والد کے تاثرات

﴿ ۷۷..... ۸۷ ﴾

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخْرَجَهُ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَرَاهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ

کہنے لگے، اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنی جی

يُبْدِيهَا لَهُمْ قَالُوا أَنْتُمْ شَرِكْنَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿۷۷﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

میں اور ان کو نہ بتایا، کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ۷۷ کہنے لگے اے عزیز! اس کا

إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَشْرِيكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۸﴾

ایک باپ ہے بڑھا بڑی عمر کا سو کہ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا ۷۸

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ بِالْأَمْرِ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِذَا إِذَا الظَّالِمُونَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا

بولاً اللہ ہمارے کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز تو تو ہم ضرور بے انصاف ہوئے ۷۹ مگر جب

اسْتَيْسَرُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالُوا كَيْدُهُمْ أَكْبَرُ تَعْلَمُوا أَنَّ آبَاءَكُمْ قَدْ أَخَذُوا

نا امید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو، بولا ان میں بڑا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے

عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا قَرَّبْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ

مہد اللہ کا؟ اور پہلے جو تصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں، سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو

حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوا إِلَى آبَائِكُمْ

باپ میرا تفسیر چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا ۸۰ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے

فَقُولُوا يَا أَيُّهَا نَانِ بْنِ سَرَقٍ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ

باپ! حیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا

حَفِظِينَ ﴿۸۱﴾ وَسُئِلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا

دھیان نہ تھا ۸۱ اور پوچھ لے اس پستی سے جس میں ہم تھے، اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بے شک

لَصَادِقُونَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ حَسِيلٌ ﴿۸۳﴾ عَسَى اللَّهُ أَنْ

کا کہتے ہیں ۸۲ بولا کوئی نہیں، حال ہے تمہارے جی نے ایک بات، اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس

يَا بَنِيَّ بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ مِّنْ حَبِيبٍ إِنَّهُ يُرِيدُ الْعِزَّةَ لَكَ ۖ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَىٰ

ان سب کو وہی ہے خردوار حکمتوں والا O اور الٹا پھر ان کے پاس سے، اور بولا اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں  
عَلَىٰ يُوسُفَ وَأَبِصْرًا ۚ قَالَ اللَّهُ نَقَرْنَا بِكَ

آہمیں اس کی غم سے سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا O کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا  
يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۚ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي

یوسف کی یاد کو جب تک کہ عمل جائے یا ہو جائے مردہ O بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے  
وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَلَأَ نُحُورَهُمْ إِذْ هَبُوا فَمَا تَحَسَّبُوا مِنْ

اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے O اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو  
يُوسُفَ وَأَخْيَاهُ وَلَا تَكْفُرُوا مِنْ رُّوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّ مِنْ رُّوحِ اللَّهِ إِلَّا

یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور نا امید مت ہو اللہ کے پیس سے بے شک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے پیس سے مگر وہی

### الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝

لوگ جو کافر ہیں O

تسہیل: قافلے والوں نے کہا، اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ

اس کا ایک بھائی بھی تھا وہ بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے، یوسف نے ان پر ظاہر

کیے بغیر دل ہی دل میں کہا کہ تم بہت برے لوگ ہو اور جو کچھ تم ہم دونوں بھائیوں کے

بارے میں کہہ رہے ہو اس کی صحیح حقیقت اللہ ہی جانتا ہے O اہل کارواں نے

درخواست کی کہ اے عزیز! بنیامین کے والد بہت بوڑھے ہیں، وہ اس کی جدائی کا

صدمہ برداشت نہیں کر پائیں گے، آپ ایسا کیجیے کہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ

لیجیے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نیکو کار انسانوں میں سے ہیں O یوسف نے کہا معاذ اللہ!

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو گرفتار کر لیں جس سے ہمارا سامان برآمد ہوا

ہے، اس صورت میں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے O پھر جب وہ یوسف سے نا امید

ہو گئے تو تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ ان بھائیوں میں جو سب سے بڑا تھا، اس نے کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ والد نے اللہ کی قسم دے کر تم سے عہد لیا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں بھی تم سخت کوتاہی کر چکے ہو، میں تو یہاں سے اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک میرے والد مجھے واپسی کی اجازت نہ دے دیں یا اللہ ہی میرے لیے کوئی فیصلہ فرمادے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جاؤ! اپنے والد کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے، ہم آپ کے سامنے وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ورنہ غیب کا علم تو ہمیں بالکل نہیں ہے۔ اگر ہماری بات پر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ اس بستی والوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم گئے تھے یا اس قافلہ والوں سے دریافت فرما لیجیے جن کی معیت میں ہم واپس آئے ہیں، یقین جانیے ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے اپنی طرف سے ایک کہانی بنالی ہے مگر میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے، مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے ان سب سے ملوادے گا، بلاشبہ وہ علیم اور حکیم ہے۔ یہ کہہ کر یعقوب علیہ السلام نے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور کہنے لگے، ہائے یوسف! اور غم سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ دل ہی دل میں گھٹتے رہتے تھے۔ بیٹے بولے، اللہ کی قسم! آپ تو یوسف ہی کی یاد میں تڑپتے رہیں گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جائیں گے یا ہلاک ہی ہو جائیں گے۔ فرمایا، میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! جاؤ! یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔

## ﴿تفسیر﴾

﴿۷۷﴾..... جونہی بنیامین کے سامان سے کٹورا برآمد ہوا، برادرانِ یوسف کا انداز گفتگو بدل گیا، ان کے دل میں موجود جذبہ حسد باہر آ گیا اور انہوں نے یوں ظاہر کیا گویا ان کا بنیامین سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، کہنے لگے، اگر اس نے چوری کی ہے تو چنداں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کے حقیقی بھائی نے بھی یہی حرکت کی تھی اور ظاہر ہے بھائیوں کے اخلاق، عادات اور طبیعتوں میں مشابہت تو ہوتی ہے۔

چوری کی جس واردات کا برادرانِ یوسف نے ذکر کیا، اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں (ان میں سے ہر روایت پر کسی نہ کسی انداز میں جرح کی گئی ہے) (۱۴۱) ایک روایت میں اپنے نانا کے ہاں سے سونے کی مورتی غائب کرنے کا ذکر ہے، دوسری روایت میں پھوپھی کی طرف سے پکا یوسف کی کمر سے باندھنے کا ذکر ہے۔

﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا﴾ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام بعض مصلحتوں کی وجہ سے فی الحال حقائق سے پردہ اٹھانا نہیں چاہتے تھے اور ویسے بھی آپ جن کریمانہ اخلاق سے متصف تھے وہ آپ کو بھائیوں کو رسوا اور شرمندہ کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے، اس لیے آپ نے زبان سے تو نہ کہا مگر دل ہی دل میں ضرور کہا کہ ”تم بہت برے لوگ ہو“ کہ جان بوجھ کر بھائی پر چوری کا الزام لگاتے ہو جبکہ خود تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ مال تو مال تم نے انسان چرایا تھا اور انسان بھی کیسا؟ باپ کا محبوب ترین بیٹا! (۱۴۲)

﴿۷۸﴾..... برادرانِ یوسف نے جب دیکھا کہ بنیامین کے چھوٹے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو اب منت سماجت اور خوشامد پر اتر آئے کہ جناب عالی! اس لڑکے کا

{۱۴۱} علامہ قرطبی اس بارے میں فرماتے ہیں: ”الانوار الواردة فی تعیین المسروق یمتانس

بہا ولا حجة فیہا، لأن مصدرها کتب الاقدمین (دیکھیے قرطبی ۲۰۳/۹ - حاشیہ ۱)

{۱۴۲} انکم سرقتم من ابيکم أحب اولادہ الیہ (المراغی ۲۴/۱۳)

باپ بہت بوڑھا ہے، وہ اپنے عزیز لختِ جگر کی گرفتاری کا صدمہ برداشت نہیں کر پائے گا، آپ ایسا کیجیے کہ ہم میں سے کسی کو غلام بنا لیجیے اور اسے وطن واپس جانے کی اجازت دے دیجیے۔

﴿۷۹﴾..... آپ نے فرمایا، کیسی عجیب بات کرتے ہو؟ جرم کسی نے کیا سزا کسی اور کو دوں، یہ تو خود تمہارے اپنے مذہب کے مطابق ظلم ہے، میں اس ظلم کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہوں؟

﴿۸۰﴾..... عزیزِ مصر سے مایوس ہونے کے بعد آپس میں سر جوڑ کر بیٹھے کہ کیا کیا جائے؟ انہیں اپنی وہ قسمیں بھی یاد تھیں جو بنیامین کی بحفاظت واپسی کی بابت اپنے والد کے سامنے کہا چکے تھے اور اپنا وہ ظلم بھی یاد تھا جو یوسف پر بلکہ اس کے ساتھ اپنے والد پر بھی ڈھا چکے تھے، اس لیے ان میں سے جو علم اور عقل کے اعتبار سے ﴿۱۲۳﴾ بڑا تھا اس نے حتمی طور پر اعلان کر دیا کہ جب تک والدِ محترم مجھے وطن آنے کی اجازت نہیں دیں گے یا اللہ تعالیٰ بنیامین کی رہائی کی صورت پیدا نہیں کر دیتا ﴿۱۲۳﴾ میں مصر سے ہرگز نہیں نکلوں گا۔

﴿۸۱﴾..... اپنائیت کی بات کرتے کرتے ان کی زبان سے کوئی ایسا جملہ نکل ہی جاتا ہے جو اجنبیت اور غیریت کا رنگ لیے ہوتا ہے، یہ صاحبِ جوان میں علم اور عقل کے اعتبار سے ممتاز ہیں ذرا ان کا انداز گفتگو دیکھیے، فرماتے ہیں جاؤ! والدِ گرامی کی خدمت میں جا کر کہو ”آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے“ حالانکہ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ ہمارے بھائی سے یہ حرکت ہو گئی ہے۔

﴿۱۲۳﴾ ”قال کبیرہم“..... فی العقل (روح المعانی ۸، ۱۳/۵۱..... وقیل: کبیرہم فی العقل (کبیر ۱۸۰۶/۳۹۲)  
 ﴿۱۲۳﴾ ”أویحکم اللہ لی“ ای یحکم لی بخلاص أخی (صفوة التفسیر ۲/۶۳).....  
 ”أویحکم اللہ لی“ فی رد أخی (تنویر المقباس ۲۵۶)

﴿۸۲﴾..... برادرانِ یوسف کا ماضی ان کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا، انہیں یاد ہے کہ ہم نے یوسف پر کیا ستم ڈھایا تھا اور پھر اس ستم پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا کہانی گھڑی تھی، انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں بنیامین کے واقعہ کو بھی من گھڑت نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے وہ اپنے والد سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں ہے تو آپ کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجیے یا اس قافلے والوں سے دریافت کر لیجیے جن کے ساتھ ہم نے سفر کیا ہے، اس زمانے میں یہی رواج تھا کہ بہت سارے لوگ مل کر قافلے کی صورت میں سفر کرتے تھے، ایسا کرنے سے وہ راستے کے خطرات سے محفوظ ہو جاتے تھے۔

نیا صدمہ:

﴿۸۳﴾..... بیٹوں نے والد کی خدمت میں حاضر ہو کر روئداد سفر سنائی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں کے سامنے وہ پورا منظر آ گیا جب یہی بیٹے یوسف کی حفاظت کا وعدہ کر کے اسے جنگل میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر رات گئے ٹسوے بہاتے اور ہائے واویلا کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے اور یوسف کی ہلاکت کی ایسی کہانی سنائی تھی جس میں جھول ہی جھول تھے، نہ دل اسے درست مانتا تھا نہ ہی عقل! آج ان کے کان دوسرے محبوب بیٹے کی گرفتاری کی خبر سن رہے تھے اور وہ بھی چوری جیسے قبیح جرم کی پاداش میں، وہ صرف حساس باپ ہی نہ تھے اللہ کے نبی بھی تھے، جس انداز میں انہوں نے تربیت کی تھی اور جس طرح کا بچپن ان کے بیٹے نے گزارا تھا، اس کی بناء پر یہ تصور کرنا بھی ان کے لیے محال تھا کہ بنیامین چوری کرے گا اور وہ بھی دیارِ غیر میں جا کر! اس لیے سنتے ہی فرما دیا، نہیں! بنیامین ایسا نہیں کر سکتا، یہ ایک کہانی ہے جو بنائی گئی ہے، اور اس میں شک ہی کیا ہے کہ یہ کہانی بنائی گئی تھی، یہ الگ بات ہے کہ ان بھائیوں

نے نہیں بنائی تھی جو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے چہرے لٹکا کے بیٹھے تھے بلکہ ان کے بھائی یوسف نے بنائی تھی لیکن اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے بنائی تھی، یوسف کوئی غیر نہ تھے انہی میں سے تھے اگرچہ انہیں خبر نہ تھی، اس لیے یہ اشکال نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ کے نبی نے بغیر کسی ثبوت کے ان پر کیسے الزام لگا دیا، ویسے بھی جو بات اجتہاد سے کی جائے اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے {۱۳۵} اگرچہ اجتہاد کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو، یہ الگ چیز ہے کہ پیغمبر کو اجتہادی خطا پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا اور اللہ کی طرف سے تعبیر کر کے اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

﴿قَصْدٌ جَبِيلٌ﴾ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اس فقرے کو ہم جملہ بھی بنا سکتے ہیں اور جملے کا ایک حصہ بھی، اگر کھل جملہ بنائیں تو معنی یہ ہوگا کہ صبر کرنا ہی میرے لیے بہتر {۱۳۶} ہے اور اگر اسے جملے کا ایک حصہ بنائیں تو معنی یہ ہوگا کہ صبر جمیل میرے لیے بہتر ہے۔ {۱۳۷}

”صبر جمیل“ اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں شکوہ شکایت اور جزع فزع نہ ہو {۱۳۸} دل اللہ کی تقدیر اور فیصلے پر راضی ہو اور یہ یقین ہو کہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہوگی۔

﴿هَتَىٰ اللَّهُ﴾ ایک طرف جدائی پر صبر ہے تو دوسری طرف اللہ کی طرف سے امید بھی ہے کہ وہ پھڑے ہوؤں سے ملا دے گا، اللہ کے پیغمبر نے بتا دیا کہ صبر کا مطلب حالات سے مایوسی نہیں، صبر اور امید دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

{۱۳۵} حدیث سے جہتکاملی مصیبت ہونا بت ہے۔۔۔ (دیکھیے ابن ماجہ، کتاب الاحکام/۱۶۷)

{۱۳۶} فضائی صبر جمیل (قرطبی ۲۰۹/۹)

{۱۳۷} نصبر جمیل اولیٰ ہی (حوالہ مذکورہ)

{۱۳۸} ”نصبر جمیل“ ای بلا جزع (تفسیر القاسمی ۲۶۶/۹)۔۔۔ صبر جمیل لا جزع

فیہ ولا شکایة لأحد (المراغی ۲۷/۱۳)



﴿حَبِيبًا﴾ دل میں تمنا صرف یوسف اور بنیامین کی ملاقات کی نہیں تیسرے بیٹے روئیل کی بھی ہے جو حکیم الہی کے انتظار میں مصر میں رہ پڑا ہے۔

﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ میرا اللہ علیم ہے، وہ جانتا ہے میرے بیٹے کہاں اور کس حال میں ہیں اور ان کی جدائی کے غم میں میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟ علیم کے ساتھ وہ حکیم بھی ہے، اس کی طرف سے آنے والی خوشی اور غمی، صحت اور بیماری، وصل اور فراق غرضیکہ ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

﴿۸۴﴾..... نئے زخم نے پرانا زخم ہرا کر دیا، بنیامین کی گرفتاری کی خبر نے یوسف کی برسوں پہلے گمشدگی کا سانحہ یاد کرا دیا جسے آپ بھولے ہی کہاں تھے، یہ انسانی فطرت ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ کی ٹیس زیادہ محسوس ہوتی ہے، بنیامین کی زندگی اور خیریت کی تو پھر بھی اطلاع تھی، یوسف کے بارے میں تو کوئی خبر ہی نہ تھی، ایک دم یوسف بھی یاد آگئے اور بیٹوں کی غفلت کیشی یا زیادتی بھی، ان سے منہ پھیر کر دوسری جانب کر لیا اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کہہ اٹھے ”ہائے یوسف“ تڑپا دیا تیری جدائی نے۔

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ﴾ کثرت گریہ سے آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور بیٹائی جاتی رہی تھی۔

﴿فَمَوَّكُنًا﴾ دل ہی دل میں کڑھتے اور گھٹتے رہتے تھے، زبان پر نہ شکوہ نہ شکایت، نہ ماتم نہ سینہ کوبی، اپنوں سے جدائی اور ان کی وفات پر حزن و الم اور اشک فشانہ کسی طرح بھی مقام نبوت و ولایت کے منافی نہیں {۱۳۹} کیونکہ یہ غیر اختیاری اور فطری چیز ہے، اللہ کے نیک بندے فطری اور بشری تقاضوں سے مبرا نہیں ہوتے، سید الانبیاء ﷺ سے زیادہ نیک کون ہوگا، آپ کے لوا سے نے آپ کی گود میں

{۱۳۹} فان قلت كيف جازلني الله..... قلت: الانساہ مجبول على ان لا يملك نفسه عند الشدائد من الحزن (کشاف ۲/۳۶۹)

آخری ہنگامی لی تو آپ رو پڑے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں تو ایسے مواقع پر آہ و بکا سے منع فرماتے ہیں مگر خود آپ رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تمہیں مطلقاً رونے سے منع نہیں کرتا بلکہ دو احمق آوازوں سے منع کرتا ہوں یعنی خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز سے اور غمی کے وقت ماتم کی آواز سے۔ (۱۵۰)

اگر مصائب و آلام کے موقع پر اظہارِ رنج مذموم ہوتا تو قرآن حضرت یعقوب علیہ السلام کے رونے دھونے کا ذکر نہ کرتا۔

﴿۸۵﴾..... لڑکوں نے تعجب کے ساتھ کہا، جس میں محبت اور شفقت کا معنی بھی پایا جاتا تھا (۱۵۱) کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ یوسف کو یاد کرتے کرتے آپ ادھ موے ہو جائیں گے (۱۵۲) بلکہ یہ بھی خطرہ ہے کہ جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

﴿۸۶﴾..... والدِ محترم نے جواب دیا کہ میں اپنے دکھ درد کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں بلکہ خالق کے سامنے کرتا ہوں، حوادث اور پریشانیاں بندگانِ رب کو رب کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں، دور کرنے کا نہیں، اللہ سے تعلق کو مضبوط کرتی ہیں، کمزور نہیں، مصیبتوں میں وہ اللہ کو اور زیادہ یاد کرتے ہیں۔

﴿وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور امتلاؤں کی حکمتوں کا جتنا علم مجھے

ہے، تمہیں نہیں ہے۔

﴿۸۷﴾..... حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کا خواب یاد تھا اور اس کے سچا ہونے کا یقین بھی تھا، اس لیے بیٹوں کو حکم دیا کہ یوسف کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

(۱۵۰) (مستدرک حاکم ۴/۴۰۰..... طبقات ابن سعد ۱/۱۱۰)

(۱۵۱) علی سبیل الترفیح بہ والشفقة علیہ (تفسیر القاسمی ۲۶۸/۹)

(۱۵۲) آی حتی تکون مریضاً مشرفاً علی الهلاک (صفوة التفسیر ۶۴/۲)

﴿إِنَّهُ لَكَيِّسٌ﴾ قرآن کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جزئی واقعات کے ضمن میں اصولی حقیقتوں کو بیان کر دیتا ہے، یہاں بھی ایک اصولی حقیقت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ”مومن کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔“ حکمت و ہدایت:

۱..... حسد ایسی بیماری ہے جو انسان کو لگ جائے تو سالہا سال بعد بھی اس کی جان نہیں چھوڑتی۔ (۷۷)

۲..... انتہائی بردبار انسان بھی بعض اوقات ایسی بات کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو عام حالات میں کہنا پسند نہیں کرتا۔ (۷۷)

۳..... جب کوئی مصیبت سر پر آن پڑے تو رحم طلبی جائز ہے۔ (۷۸)

۴..... اسلامی شریعت میں بھی بدنی سزا میں مبادلہ جائز نہیں اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے مجرم کے بدلے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرے تو قاضی کے لیے جائز نہیں کہ اسے قبول کرے۔ (۱۵۳) (۷۹)

۵..... اہم معاملات میں مشورہ کے لیے سرگوشی جائز ہے۔ (۸۰)

۶..... انسان کو اپنا قول و قرار یاد رکھنا چاہیے اور اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ (۸۰)

۷..... شہادت کا مدار اس علم پر ہے جو حواسِ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے، خواہ علم کسی بھی طریقے سے حاصل ہو، آنکھوں سے دیکھ کر یا کانوں سے سن کر، چنانچہ بعض معاملات میں نابینا، گونگے اور بہرے کی شہادت بھی جائز ہے، شہادت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب معاملہ نے اسے گواہ بنایا ہو بلکہ جسے کسی بھی ذریعے سے علم حاصل ہو جائے اس کے لیے گواہی دینا جائز ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿الْأَمَنَ شَهِدًا بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۱۵۳) ”ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو اور انہیں اس کا علم بھی ہو۔“

صحیح مسلم میں زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”کیا میں تمہیں بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ سب سے بہترین گواہ وہ ہے جو طلب کیے جانے کے بغیر گواہی دے۔“ (۱۵۵)

ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے گواہوں کی مذمت کی گئی ہے (۱۵۶) دونوں میں فرق یہ ہے کہ مذمت ان گواہوں کی ہے جو جھوٹی گواہی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں جبکہ تعریف ان گواہوں کی ہے جو کسی کا حق ڈوبنے سے بچانے کے لیے سچی گواہی دیتے ہیں۔ (۸۱)

۸..... اگر بے گناہ شخص کو کسی الزام کا سامنا ہو تو اسے چاہیے کہ اشتباہ کو دور کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کر دے، جیسا کہ برادرانِ یوسف نے اپنے والد سے درخواست کی کہ آپ بنیامین کا واقعہ اہل مصر سے بھی پوچھ سکتے ہیں اور ہمارے قافلے کے شرکاء سے بھی۔ (۸۲)

۹..... ناموافق حالات میں مسلمان کو صبر جمیل کرنا چاہیے یعنی ایسا صبر جس میں مخلوق کے سامنے جزع فزع اور شکوہ و شکایت نہ ہو، فریاد ہو تو اللہ سے اور رونا دھونا ہو تو اسی کے سامنے۔

۱۰..... یوسف کی گمشدگی ہو یا بنیامین کی گرفتاری، دونوں مواقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام

(۱۵۳) (الزخرف ۲۳/۸۶)

(۱۵۵) (مسلم ۲، کتاب الاقضية/۷۷)

(۱۵۶) تم بھیجیہ اقوام تسبیح شہادۃ اُحدہم بینه و بینه شہادۃ (بخاری ۱، کتاب

الشہادات/۳۶۲)

نے فرمایا ”فصبر جمیل“ البتہ پہلے حادثہ کے موقع پر فرمایا:  
﴿وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ ”اور اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اس پر جو  
کچھ تم بیان کرتے ہو۔“

اور دوسرے حادثہ کی اطلاع سن کر فرمایا:

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِينًا﴾ ”امید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے ملوادے گا۔“  
ایسا لگتا ہے کہ پہلے واقعہ میں آپ کو اللہ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ شب فراق  
طویل ہوگی اس لیے آپ اللہ کی مدد کے طلبگار ہوئے اور دوسرے واقعہ میں  
ایسے اشارات ملے ہوں گے جن سے آپ نے جان لیا کہ وصال کی گھڑی اب  
زیادہ دور نہیں۔ (۸۳)

..... حوادث و آلام میں رنج و غم کا ہونا اور اشک نشانی، نہ صبر کے منافی ہے اور نہ  
ولایت و نبوت کے۔ (۸۴) ہمارے آقا ﷺ نے بیٹے کی وفات پر فرمایا تھا:  
﴿تدمع العين ويحزن القلب ولا نقول ما يسنخط  
مگر ہم کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جو رب  
الرب﴾ (۱۵۷) کو ناراض کر دے۔“

اللہ کو ناراض کرنے والی بات کونسی ہے؟ قضا و قدر پر اعتراض، چہرہ پشیمان،  
گریباں پھاڑنا اور جاہلیت والی آوازیں نکالنا۔

۱۲..... محبتِ طبعی، محبتِ حق کے منافی نہیں، اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور کالمین میں  
محبتِ طبعی کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کرتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط  
کر دیتا ہے۔ (۱۵۸)

۱۳..... مصیبت اور پریشانی میں بعض لوگ خالق کے سامنے شکایت کرتے ہیں اور

(۱۵۷) (ابن ماجہ، ابواب ماجاء فی الجنائز/ ۱۱۴)

(۱۵۸) (بیان القرآن، حصہ اول، جلد ۵/ ۹۲)

بعض خلق کے سامنے، خالق کے سامنے شکایت محمود ہے اور مخلوق کے سامنے

شکایت مذموم!

۱۳..... تا امید کی کبرہ گناہ ہے، مومن کسی حال میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں

ہوتا۔ (۸۷)

افشائے راز

﴿۸۸.....۹۳﴾

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةِ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز! پڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں

مُزْجِجَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۸﴾ قَالَ

ہم پونجی ناقص سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو ۸۸ کہا

هَلْ عَلِمْتُمْ مَآ فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ

کچھ تم کو خبر ہے کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم کو کچھ نہ تھی؟ ۸۹ بولے کیا ج، تو ہی ہے یوسف؟ یوسف نے کہا

يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَصِفِرُّ

میں یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی اللہ نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۰﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكْنَا بِاللَّهِ عَلَيْنَا

تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا ۹۰ بولے قسم اللہ کی، البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے

وَأَنَّ كُنَّا الْخَاطِئِينَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ

اور ہم تھے جو کئے والے ۹۱ کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج، بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے

الرَّحِيمِينَ ﴿۹۲﴾ إِذْ هَبُوا بَقِيصَتِي هَذَا فَالْقَوْلُ عَلَىٰ وَجْهِ ابْنِ يَأْتِ بِصِغْرَاءَ

مہربان ۹۲ لے جا دے میرے اور ڈالو اس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا،

وَأَتَوْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۳﴾

اور لے آؤ میرے پاس گھر اپنا سارا ۹۳

تسہیل: جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو کہنے لگے، اے عزیز! قحط کی وجہ سے ہم اور ہمارے گھر والے تکلیف میں ہیں، ناداری کی وجہ سے معقول رقم کا انتظام بھی ہم نہیں کر سکے اور کھتی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن آپ غلہ پورا دیجیے گا اور ہمارے معاملے میں چشم پوشی سے کام لیجیے گا، بے شک اللہ چشم پوشی کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ عزیر مصر نے کہا، تمہیں کچھ یاد بھی ہے کہ تم نے نادانی میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ وہ بول اٹھے، ارے! کیا سچ تم یوسف ہی ہو؟ فرمایا، ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہم پر اللہ نے بڑا ہی احسان کیا ہے، واقعی جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔ وہ بولے، اللہ کی قسم! اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت عطا کی ہے اور بے شک ہم ہی غلطی پر تھے۔ یوسف نے کہا، نہیں! آج میری طرف سے تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔ جاؤ! تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے والد گرامی کے چہرے پر ڈال دو تاکہ ان کی پینائی لوٹ آئے اور اپنے سارے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

### ﴿تفسیر﴾

﴿۸۸﴾..... بر اور ان یوسف تیسری بار مصر پہنچ کر عزیر مصر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اب کی بار ان کے لہجے میں رحم طلبی اور عاجزی غالب تھی، اپنے اہل و عیال کی پریشانی، ناداری اور غربت کا اس انداز میں ذکر کیا کہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو اس کا دل پہنچ جاتا جبکہ ان کی مخاطب وہ شخصیت تھی جو اللہ کے نبی بھی تھے اور ان کے حقیقی بھائی بھی، آپ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

﴿۸۹﴾..... اس تاثر نے انہیں اپنی شخصیت پر پڑا ہوا پردہ اٹھانے پر مجبور کر دیا، مگر

اس کے لیے آپ نے ایسا باوقار طریقہ اختیار کیا کہ بھائیوں کی تذلیل نہ ہو، پہلے ان سے ان زیادتیوں کے بارے میں سوال کیا جو ان سے ہو چکی تھیں پھر خود ہی ان کی طرف سے ایک قسم کا عذر بھی ذکر کر دیا یعنی یہ کہ تم سے جو کچھ ہوا وہ نادانی اور جہالت میں ہوا۔

﴿۹۰﴾..... عزیزِ مصر کی صورت میں تخت آرا ہونے والے یوسف کی بھولی بسری دلکش صورت، اپنے ساتھ غیر معمولی برتاؤ اور بنیامین کی طرف واضح جھکاؤ دیکھ کر یہ خیال..... اگرچہ کمزور درجہ ہی میں سہی..... ان کے دل میں آیا تو ہوگا کہ کہیں یہ یوسف ہی تو نہیں؟ مگر کنعان کے کنویں اور مصر کے تاج و تخت کے درمیان وسیع و عریض خلیج کا تصور کر کے وہ اس خیال کو جھٹک دیتے ہوں گے لیکن اب تو کوئی ہلکا سا خفاء بھی باقی نہیں رہ گیا تھا چنانچہ وہ بے ساختہ بول پڑے، ارے! کیا سچ تم یوسف ہی ہو؟

﴿إِنَّهُ مِنْ يَتْمِي﴾ اللہ اللہ! کیا انوکھا اور منفرد اسلوب ہے قصہ بیان کرنے کا، ایسا نہیں کہ پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اختتام پر چند عبرتیں اور نصیحتیں بیان کر دی گئی ہوں بلکہ موقع بہ موقع واقعہ کی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول اور کلیات بھی بیان ہو رہے ہیں، اللہ کا نبی فرما رہا ہے کہ احسانِ باری تعالیٰ کا یہ معاملہ صرف میرے ساتھ خاص نہیں بلکہ جو لوگ بھی صبر اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان سب کو اجر و ثواب سے ضرور نوازا جاتا ہے۔

﴿۹۱﴾..... انکشافِ حقیقت کے بعد بھائیوں نے معلوم کیا کچھ کہا ہوگا مگر قرآن نے ان کی تقریر کو جن مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے، ان الفاظ میں اعترافِ جرم، عداوت، عاجزی اور معذرت سبھی کچھ ہے اور وہ بھی ان بھائیوں کی زبان سے جو عمر میں بڑے ہیں اور ماضی میں چھوٹے بھائی کو حسد، مار پٹائی اور نفرت کا نشانہ بناتے رہے ہیں.....



عجب منظر ہوگا جب ان کے سرندامت سے جھک گئے ہوں گے اور ان کی زبان پر معافی کے بول ہوں گے۔

﴿۹۲﴾..... کیسے ممکن تھا کہ بھائی معافی مانگتے اور اللہ کا نبی انہیں معاف نہ کر دیتا، یہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف تھا، آپ نے اس طرح معاف کیا کہ نہ طعنہ دیا اور نہ ہی ان کے جرائم گنوائے۔

یہی وہ آیتِ کریمہ ہے جو ہمارے آقا ﷺ نے اس وقت پڑھی تھی جب آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے اور قریش آپ کے سامنے حرم میں صف بستہ کھڑے اپنی قسمت کا انتظار کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

﴿لَا تَعْرِبْ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ اذْهَبُوا﴾ (۱۵۹) فانتم الطلقاء ﴿﴾ آزاد ہو۔“

﴿۹۳﴾..... حضرت یعقوب علیہ السلام کی دل کی آنکھیں روشن تر تھیں البتہ ظاہری بصارت کثرتِ گریہ سے متاثر ہو گئی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص یہ کہتے ہوئے دی کہ والدِ محترم کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی بینائی واپس آجائے گی، حدتِ مسرت سے بینائی کی واپسی عجیب تو ہے مگر ناممکن نہیں، غم ہو یا خوشی، ان کی حدت کبھی کبھی عجائب کو جنم دیتی ہے، کوئی ظاہری سبب نہ بھی ہو تو بھی اللہ کی قدرت میں کوئی چیز محال ہے؟ اس میں شک ہی کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو کچھ کیا اور فرمایا، وہ اللہ کے حکم ہی سے کیا اور فرمایا ہوگا۔

حکمت و ہدایت:

..... ویسے تو حتی الامکان نہ تو انسانوں سے سوال کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنی مصیبت اور

پریشانی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن مجبوری کی بناء پر ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے (۱۶۰) خصوصاً جبکہ جان یا عزت و آبرو خطرے میں ہو۔ (۸۸)

۲..... صدقہ کے طور پر اپنے حق سے زائد طلب کرنا جائز ہے، باقی رہا یہ سوال کہ انبیاء کی اولاد کے لیے صدقہ کیسے حلال ہو گیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں صدقہ رعایت کے معنی میں ہے (۱۶۱) کیونکہ مفت کا سوال تو انہوں نے کیا ہی نہیں تھا، وہ پونجی لے کر آئے تھے مگر چونکہ وہ معیار اور مقدار میں کم تر تھی، اس لیے انہوں نے عزیز مصر سے چشم پوشی اور رعایت کی درخواست کی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے علاوہ کسی دوسرے نبی پر صدقہ حرام نہیں تھا، ابن جریر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام کیا گیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا، کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا؟

﴿فَأَوْفُوا بِنَا الْكَيْلَ وَقَصَدُوا بَلَيْتَنَا إِنَّ اللَّهَ يُجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ (۱۶۲)

”ہمیں پورا پورا ناپ کر دو اور ہمارے اوپر صدقہ کرو، بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔“ (۸۸)

۳..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، دعائیں یہ کہنا جائز نہیں ”اللہم تصدق علی“ کیونکہ صدقہ کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جو اجر و ثواب کی امید رکھتا ہو جبکہ اللہ تعالیٰ تو ثواب دیتا ہے کسی سے حصول ثواب کی امید نہیں رکھتا۔ (۱۶۳) (۸۸)

(۱۶۰) (تفسیر منیر ۱۳/۵۸)

(۱۶۱) (وقد جاءت الصدقة بمعنى التفضل..... (روح المعانی ۸/۱۳، ۶۷)

(۱۶۲) (ابن جریر بحوالہ منیر ۱۳/۵۸)

(۱۶۳) (قرطبی ۹/۲۱۷)

مگر علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں خود نبی کریم ﷺ نے صدقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿صدقة تصدق الله بها عليكم﴾ ”سفر میں قصر کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک صدقہ ہے پس تم اس کے صدقہ کو قبول کر لو۔“ (۱۶۳)

جہاں صدقہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی وہاں یہ رعایت، نرمی اور چشم پوشی کے معنی میں ہوگا۔ (۱۶۵)

۴..... صدقہ ایسا عمل ہے جس کا بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی، حتیٰ کہ کفار کو بھی یکسر محروم نہیں رکھا جاتا، یہ فرق ضرور ہے کہ دنیا کا بدلہ رزق بلاء اور دفع مصائب کی صورت میں ہر کسی کو ملتا ہے مگر جنت کی صورت میں آخرت کا بدلہ صرف اہل ایمان کو ملے گا۔ (۸۸)

۵..... ہر محصیت جہالت سے سرزد ہوتی ہے (۱۶۶) وہ عالم جو علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، اسے بھی جاہل ہی کہا جائے گا۔ (۱۶۷) (۸۹) عالم بھی، جاہل بھی، حیرت ہے حیرت!

۶..... تقویٰ اور صبر یعنی گناہوں سے بچنا اور آزمائشوں میں ثابت قدمی، انسان کو مشکلات سے نکال دیتی ہے۔ (۹۰)

۷..... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے صبر و تقویٰ کا ذکر بطور فخر نہیں بلکہ تحدیث بالعمتہ کے طور پر کیا تھا کہ اول اس نے ہمیں صبر و تقویٰ کی توفیق عطا فرمائی پھر اس کے ذریعہ تمام نعمتیں عطا فرمائیں۔

(۱۶۳) (مسلم ۱، کتاب صلوة المسافرین / ۲۴۱)

(۱۶۵) (روح المعانی ۸، ۱۳ / ۶۷)

(۱۶۶) قال بعض السلف: كل من عصى الله فهو جاهل (ابن کثیر ۲ / ۶۳۵)

(۱۶۷) لعلکم تعلموا ما تقتضيه العلم ولا يقدم عليه الا جاهل منهم "جاهلین" (کنز الدقائق ۲ / ۳۷۲)

۸..... انبیائے کرام علیہم السلام اخلاقی کریمانہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں، ستم ڈھانے والوں کو قدرت کے باوجود معاف کر دیتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے اعترافِ جرم اور معذرت طلبی کے جواب میں ”لا تشریب“ فرمایا، عربی زبان میں ”تشریب“ کا معنی ہے اس پتلی باریک چربی کو زائل کر دینا جو استزیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ (۱۶۸)

اردو میں ”لا تشریب“ کا معنی کیا جاتا ہے ”تم پر کوئی الزام نہیں“ مگر یہ ترجمہ ان الفاظ کی پوری حقیقت نہیں کھولتا، اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ نہ تمہیں ملامت کی جائے گی نہ تمہاری زیادتیاں یاد کرا کر تمہیں شرمندہ کروں گا، نہ دل میں تمہارے لیے بغض اور حسد رکھوں گا اور نہ ہی تم سے انتقام لوں گا۔

ہم یقیناً اختلاف کر سکتے ہیں حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ سے مگر عجیب نکتہ انہوں نے اس مقام پر بیان کیا ہے، فرماتے ہیں بوڑھوں سے معذرت طلبی کے مقابلہ میں نوجوانوں سے معذرت طلب کرنا آسان ہے، حضرت یوسف علیہ السلام سے بھائیوں نے معافی مانگی تو انہوں نے فوز اکہہ دیا: ”لَا تَذْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ“ **يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ**“ لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے معافی مانگی تو انہوں نے فرمایا: ”سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي“ (میں اپنے رب سے تمہارے لیے مغفرت طلب کروں گا۔) (۱۶۹)

۹..... بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی شدید مسرت کی وجہ سے لوٹ آئی تھی، خوشی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ روح توانا ہو جاتی ہے بلکہ ظاہری اعضاء میں بھی طاقت آ جاتی ہے، طب اس نظریے کی

(۱۶۸) {ولا يعرف من لفظه الا قولهم الشرب وهو شحمة رقيقة (المفردات/۷۹)}

(۱۶۹) {التفسير المنير ۱۲/۶۱}

تائید کرتی ہے۔ جبکہ دوسرے حضرات اسے معجزہ قرار دیتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اصل میں یہ وہ قمیص تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت پہنائی تھی جب انہیں آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا، پھر یہ قمیص حضرت اسحاق علیہ السلام کو ملی، ان سے حضرت یعقوب اور ان سے حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچی، چونکہ اسے جنت سے لایا گیا تھا، اس لیے اس کے اندر یہ خصوصیت تھی کہ اسے جس بیمار پر ڈالا جاتا تھا وہ تندرست ہو جاتا تھا۔ {۱۷۰}

۱۰..... خاندانی نظام اور خاندان سے محبت، انسانی فطرت ہی نہیں تعلیمات نبوت کے بھی مطابق ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف اپنے والدین ہی کو نہیں پورے خاندان کو اپنے پاس لانے کا حکم دیا جو کہ خاصا وسیع ہو چکا تھا۔  
بائبل کے بیان کے مطابق بیٹے، بہویں، پوتے اور پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے، تو ریت میں ہے:

”اور وہ سب ستر نفوس تھے..... اور یوسف اپنی گاڑی پر اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کی سرزمین کو گیا۔“ {۱۷۱}

## یوسف کی خوشبو

﴿۹۸.....۹۳﴾

وَلَمَّا فَصَلَ الْعَيْرُ قَالَ أَبُوهُمَ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن نُّفَنِّدُونَ ۝

اور جب جدا جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو مجھ کو بوڑھا بہک گیا O.

{۱۷۰} (قرطبی ۲۲۰/۹)

{۱۷۱} (تکوین باب ۲۶:۲۷-۲۹/ص ۵۸)

قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّا اَنَّ جَاءَ الْبَشِيْرَ اَلْمُهٰٓءُ عَلٰى

لوگ بولے قسم اللہ کی ٹو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے ۝ پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے  
وَجِهًا فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِمَّا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

وہ کرتے اس کے منہ پر بھلوت کر ہو گیا دیکھنے والا، بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے؟ ۝  
قَالُوْا يَا اٰهَانَاسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوْبَنَا لَمَّا كُنَّا خٰطِيْبِيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ  
بولے اے باپ! بخشو ہمارے گناہوں کو بے شک ہم تھے جو کئے والے ۝ کہا دم لو بخشو اؤں گا تم کو

رَبِّيْ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان ۝

تسہیل: اور جب قافلہ مصر سے چلا تو ان کے والد نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے خبیلی  
قرار نہ دو تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے ۝ حاضرین  
مجلس نے کہا، اللہ کی قسم! آپ اب تک اپنے پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں ۝ جب  
خوشخبری دینے والا آ گیا تو اس نے آتے ہی وہ کرتا یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا  
جس سے ان کی بینائی بحال ہو گئی تو انہوں نے فرمایا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ  
میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ ۝ اس وقت بیٹوں نے  
درخواست کی کہ اے ہمارے والد! اللہ سے ہمارے گناہوں کی مغفرت کی دعا کیجیے،  
بلاشبہ ہم خطا دار تھے ۝ یعقوب نے کہا، عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لیے  
بخشش کی دعا مانگوں گا، بے شک وہ غفور رحیم ہے ۝

﴿تفسیر﴾

﴿۹۳﴾..... جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے گمشدہ  
لحبت جگر کی خوشبو محسوس ہونے لگی، یہ احساس مشیت الہیہ کا نتیجہ تھا، جب آپ کنعان  
کے کنویں میں تھے، اللہ کو ملاقات منظور نہ تھی اس لیے بہت قریب ہونے کے باوجود

والد کو پتہ نہ چل سکا لیکن جب اللہ نے اپنے بندے کو اچھی طرح آزمایا اور باپ بیٹے کی ملاقات کا فیصلہ فرمادیا تو سینکڑوں میل کی مسافت سے پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، ظاہری طور پر اس میں آپ کی ذکاوتِ حس کا بھی دخل تھا، شدتِ توجہ میں عام آدمی کے حواس کی قوت میں بھی بہت اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ حضراتِ انبیاء کے حواس عام انسانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ قوی ہوتے ہیں، دونوں قسم کی صورتحال کے لیے فارسی کا ایک ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم..... گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کبھی تو میں بلند یوں پر ہوتا ہوں اور دیکھ لیتا ہوں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت پر پڑی ہوئی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی۔

دوسرا شعر کچھ یوں ہے۔

فلسفی کہ او منکر جنا نہ است..... از حواس انبیاء بیگانہ است

وہ فلسفی جو کہ جنت کا منکر ہے، انبیاء کے حواس سے بیگانہ ہے۔

﴿۹۵﴾..... حاضرینِ مجلس نے کہا، اللہ کی قسم! یوسف کے زندہ ہونے کے بارے میں آپ کا وہم کبھی ختم نہیں ہوگا جبکہ وہ ختم ہو چکا اور اس سے ملاقات ناممکنات میں سے ہے۔

﴿۹۶﴾..... جب وہ خوشخبری دینے والا آ پہنچا..... کہا گیا کہ اس سے مراد یہوذا بن یعقوب ہے ﴿۱۷۲﴾ اسی کو سب سے زیادہ اس بات کا احساس تھا کہ ہم نے والد کو ناحق پریشان کیا ہے اور وہ اپنے کیے کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔

﴿قَالَ الرَّاقِلُ لَكُمْ﴾ فرمایا: ”کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟“ رحمتِ باری تعالیٰ پر اہل یقین اور مختلف قرآن کی

بناء پر آپ یوسف سے ملاقات کی جو امید لگائے بیٹھے تھے، اس جملے میں اس امید کے بر آنے پر اظہارِ مسرت بھی ہے اور بیٹوں کو یہ تعلیم بھی کہ صرف ظاہری حالات پر نظر نہ رکھا کرو، ان ظاہری حالات میں جو مخفی امکانات ہیں، ان پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔

توریت میں یہ جزء یوں مذکور ہے:

”اور یوسف اپنی گاڑی پر اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کی سر زمین کو گیا..... تب اسرائیل نے یوسف سے کہا، اب موت کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں نے تیرا منہ دیکھا۔“ {۱۴۳}

{۹۷}..... حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی، قافلہ بھی مصر سے کنعان پہنچ گیا۔ حقیقت کھل کر سامنے آگئی، برادرانِ یوسف سے غلطیاں تو ہوئیں مگر وہ بہر حال خاندانِ نبوت سے تعلق رکھتے تھے، اللہ کے برگزیدہ بندے کے سائے میں بچپن بھی گزارا تھا اور جوانی بھی، اس کے پاکیزہ اثرات سے کیسے محروم رہ سکتے تھے؟ پوری طرح ادب و احترام کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا، ہم اپنی حرکتوں پر نادم ہیں، خود بھی معاف کر دیجیے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ہمارے لیے مغفرت طلب کیجیے۔

{۹۸}..... حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے بلکہ فرمایا کہ کسی مناسب موقع اور مقام پر تمہارے لیے دعا کروں گا، بعض روایات میں ہے کہ آپ کو وقتِ تہجد کا انتظار تھا کیونکہ وہ سب سے افضل وقت ہے اس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ {۱۴۴}

{۱۴۳} (تکوین باب ۲۹:۴۵-۳۰/ص ۵۷)

{۱۴۴} قال ابن عباس رضی اللہ عنہما والاکثرون: أراد ان یستغفر لہم فی وقت السحر لانه هذا الوقت أوفق الأوقات لرجاء الإجابة (کبیر ۱۸۰۶/۵۰۸-۵۰۹)



حکمت و ہدایت:

۱..... انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاتھوں مختلف معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے، سینکڑوں میل کی مسافت سے یوسف کی خوشبو محسوس کر لینے اور بینائی کے واپس آ جانے کی اگرچہ ظاہری توجیہ بھی کی گئی ہے مگر زیادہ تر علماء نے اسے معجزہ قرار دیا ہے، معجزہ اگرچہ نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے مگر یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔

۲..... کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بشارت سنانے والے کو انعام دینا چاہتے تھے مگر آپ کے پاس کچھ تھا ہی نہیں تو آپ نے یہ دعا دینے پر اکتفا کیا:  
 ﴿هون الله عليك مكرات﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر موت کی سختی آسان کر دے۔“  
 الموت ﴿۱۷۵﴾

لیکن یہ حقیقت میں بہت بڑا انعام تھا۔ ایمان پر خاتمہ اور جان کنی میں آسانی سے بڑھ کر کوئی نعمت ہو سکتی ہے؟

اس واقعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ بشارت دینے والے کو انعام دینا چاہیے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب قبولِ توبہ کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے یہ عظیم خوشخبری سنانے والے کو اپنے کپڑے اتار کر دے دیے تھے ﴿۱۷۶﴾ کیونکہ ان کے پاس کچھ اور تھا ہی نہیں۔

عام حالات میں بھی کسی نعمت کے عطا ہونے پر بچوں میں شیرینی تقسیم کر کے یا احباب اور اقارب کی دعوت کر کے اظہارِ مسرت جائز ہے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب سورہ بقرہ حفظ کر لی تو انہوں نے اس خوشی میں اونٹ ذبح کیا تھا..... اگرچہ تفصیل کا موقع نہیں مگر یہ وضاحت کر دینا مناسب

(۱۷۵) (قرطبی ۲۲۲/۹)

(۱۷۶) حضرت کعب فرماتے ہیں: ”فلما جاءني الذي سمعت صوته بهمزني لزعت له ثوبي فكسوتهما بهمارته (مسلم ۲، کتاب التوبة/۳۶۲)“

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خالی الفاظ حفظ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تمام مضامین اور مطالب کے ساتھ قرآن یاد کرتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کچھ پڑھتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔

معافی تلافی کیسے؟

۳..... اگر ہمارے ہاتھ، زبان، عمل یا روپے سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی ہو یا اس کا کوئی حق ہمارے ذمہ ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا حق ادا کر دیں یا اس سے صراحتاً معاف کروائیں، بعض لوگوں نے کسی کا مالی حق دبا رکھا ہوتا ہے، اگر خوفِ خدا غالب آئے تو یوں کہہ دیتے ہیں کہ ”بھائی اگر ہم سے کوئی زیادتی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا“ اس صورت میں اگر صاحبِ حق نے معاف کر بھی دیا تو معاف نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے اپنے کسی بھائی کی عزت کو داغدار کر کے یا کسی دوسرے طریقے سے اس پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ صاحبِ حق کا حق ادا کر دے یا معاف کروالے، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جب اس کے پاس نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں گے تو وہ لے کر مظلوم کو دے دیئے جائیں گے اور اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوئے تو مظلوم کے گناہِ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔“

﴿قال رسول الله ﷺ: من كانت له مظلمة لآخره من عرضه أو شيء فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته وإن لم تكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه﴾ (۱۷۷)

۴..... جب برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام سے معافی مانگی تو انہوں نے

بلا توقف معاف فرمادیا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بعد میں تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا، علماء نے اس کے کئی اسباب لکھے ہیں:

پہلا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حیثیت مربی کی سی تھی، آپ چاہتے تھے کہ انہیں اچھی طرح اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ان کی زیادتی بالواسطہ تھی جبکہ یوسف اور بنیامین کے ساتھ بلا واسطہ تھی، اسی لیے اصل میں معاف کرنے کا حق انہیں کو تھا جن پر زیادتی ہوئی تھی۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ ان کا گناہ اتنا بڑا تھا کہ محض طلب دعا سے معاف نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اس کے لیے خود توبہ کرنا ضروری تھا اور ان کے والد بزرگوار بھی چاہتے تھے۔

چوتھا سبب یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام پر تھے کہ اگر وہ چاہتے تو بھائیوں سے انتقام لے سکتے تھے، ممکن ہے بھائیوں کو بھی اس کا اندیشہ ہو، اس لیے انہوں نے فوری طور پر معاف کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا ضروری سمجھا۔ (۱۷۸)

۵..... اولاد یعقوب نے دعا کی درخواست کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا تو ذکر کیا مگر ”رب“ کا ذکر نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ ان پر اپنے گناہوں کی فکر اور اللہ کی پکڑ کا احساس غالب تھا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظر رحمت باری تعالیٰ پر تھی، وہ جانتے تھے کہ گناہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، سچے دل سے توبہ کی جائے تو معاف ہو جاتے ہیں اس لیے آپ نے ”رب“ کا ذکر تو کیا مگر گناہوں کا ذکر نہیں کیا۔ (۱۷۹)

(۱۷۸) (المراغی ۱۳/۳۰-۳۱)

(۱۷۹) (تفسیر القاسمی ۹/۲۷۸)

## خواب کی تعبیر

﴿۹۹.....۱۰۱﴾

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ الْيَهُودَ أَبُوهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مَعِيَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمُنِيقِينَ ﴿۹۹﴾

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس، جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل چاہی سے O  
وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ نَوْمِي ﴿۱۰۰﴾

اور اونچا اٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں اور کہا اے باپ! یہ بیان ہے میرے  
مِن قَبْلِ قَدْ جَعَلْتُ رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ

اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا  
يَكْفُرُ مِنَ الْبَدُونِ مِنْ بَعْدِ أَنْ تَرْزُقَ الشَّيْطَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي

گاؤں سے بعد اس کے کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں، میرا رب تدبیر سے کرتا ہے  
لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ آتَيْنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمَنِي

جو چاہتا ہے، بے شک وہی ہے خیر دار حکمت والا O اے رب! تو نے وی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو  
مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَهِيَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴿۱۰۲﴾

کچھ پھر نابالوں کا، اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں

تَوَكَّلْ عَلَى الْمَوْلَىٰ وَجْعَلِ اللَّهُ لِمَنْ يُشَاءُ ﴿۱۰۳﴾

موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں O

تسہیل: پھر جب یوسف کے خاندان کے سارے افراد ان کے پاس پہنچے تو انہوں

نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور ان سب سے کہا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ، اگر

اللہ نے چاہا تو یہاں تمہیں امن حاصل رہے گا O مصر میں داخل ہونے کے بعد یوسف

نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب یوسف کے سامنے سجدے میں گر پڑے،

اس موقع پر یوسف نے عرض کیا، اے میرے والد گرامی! یہ میرے اس خواب کی تعبیر

ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا، اس وقت بھی اسی نے مجھ پر کرم کیا تھا جب اس نے مجھے جیل سے نکالا اور تم سب کو گاؤں سے اٹھا کر یہاں لے آیا، یہ سب کچھ اس فساد کے بعد ہوا جو شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ڈال دیا تھا، بے شک میرا رب جو کچھ کرنا چاہتا ہے اسے انجام تک پہنچانے کے لیے لطیف تدبیر کرتا ہے، بلاشبہ وہ علیم اور حکیم ہے O پھر یوسف نے اللہ سے دعا کی، اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بھی عطا کی اور باتوں کی حقیقت تک پہنچنے کا ملکہ بھی عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لینا O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۹۹﴾..... جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا سارا خاندان اس جگہ پر پہنچے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے اعموان و انصار کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے، تو برسوں کی جدائی کے بعد ملاقات کے عجیب مناظر دیکھنے میں آئے، تو ریت میں ہے:

”اور یوسف اپنے باپ اسرائیل کے استقبال کے لیے جوشن کو چلا اور جب اس نے اسے دیکھا تو اس کے گلے سے لپٹا اور دیر تک روتا رہا۔“ {۱۸۰}

﴿آیۃ﴾ حضرت کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے انتقال کے بعد یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ سے شادی کر لی تھی، چونکہ خالہ پر بھی ماں کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے یہاں ”والدین“ کی تعبیر اختیار کی گئی {۱۸۱}، جبکہ

{۱۸۰} (عہد عتیق، تکوین باب ۲۹: ۴۶/ص ۵۸)

{۱۸۱} قال جمع من المفسرين ان المراد بأبويه ابوه وخاله لانه قد ماتت قبل ذلك فتزوج ابوه خالته (المراعي ۳۲/۱۳)

ظاہر آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ زندہ تھیں اور مصر تشریف لائی تھیں۔ {۱۸۲}

﴿۱۰۰﴾..... بہت بڑے ہجوم کے ساتھ مصر سے باہر نکل کر اپنے خاندان کا استقبال کرتے ہوئے آپ انہیں شہر میں لے کر آئے اور پھر اپنے والدین کا اکرام کرتے ہوئے آپ نے انہیں تخت پر بٹھایا، پھر یہ ہوا کہ یہ سب لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

اللہ کے ماسوا کے سامنے انہوں نے سجدہ کیوں کیا؟ ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ پہلی اتھوں میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ تعظیسی جائز تھا۔ {۱۸۳}

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ نہیں تھا بلکہ محض زمین بوسی یا جھکاؤ تھا اور اس پر بھی سجدہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ {۱۸۴}

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ اللہ کے سامنے تھا {۱۸۵} مگر اس کا سبب بنے تھے حضرت یوسف علیہ السلام! انہیں پا کر اور وہ بھی عزت کے ناقابل یقین مقام پر، سارے خاندان پر وارثی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ سب کے سب بے ساختہ سجدے میں گر پڑے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذَا نَصِيحًا﴾ اس بڑے اثر اور یادگار منظر کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام پکار اٹھے، اے میرے ابا! یہ ہے اس خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا، آج برسہا برس کے بعد اللہ نے اسے سچ کر دکھایا ہے۔

{۱۸۲} وظاهر الآية يدل على أن أمه كانت لا تزال حية (المرجع السابق نفسه)  
 {۱۸۳} أراد بذلك التعظيم ليوسف (جصاص ۱۷۸/۳)، والسجود، وأصله الخضوع والتذلل، كان مباحاً في تلك الأزمنة (نظم الدرر ۹۸/۳)  
 {۱۸۴} قد يسمى التواضع سجوداً وكان المراد ههنا التواضع (كبير ۵۱۱/۱۸۰۶)  
 {۱۸۵} سجوداً لله شكراً لنعمة وجدانه (كبير ۵۱۱/۱۸۰۶)

﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِنِيَ﴾ یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کا مقرب بندہ خوشی کے اس موقع پر اللہ کے احسانات بھول جاتا مگر اخلاق کریمانہ کی انتہا دیکھیے کہ کنویں سے پانی نہ جانے اور زندگی بچ جانے کی صورت میں جو بہت بڑا انعام ہوا تھا، اس کا ذکر تک نہیں کیا، مبادا بھائیوں کو سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے، ذکر کیا تو جیل سے آزادی کا کیا جہاں سے آپ کے ظاہری عروج کا آغاز ہوا تھا۔ جیل سے رہائی بھی معمولی نعمت نہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے دروازے پر یہ جملے لکھ دیئے تھے:

﴿هذه منازل البلاء وتجربة  
الاصدقاء، وشماتة الاعداء،  
وقبور الاحياء﴾ {۱۸۶}

”جیل خانہ آزمائشوں کا گھر، بچوں کی تجربہ گاہ، دشمنوں کی خوشی کا سامان اور زندوں کا قبرستان ہے۔“

کسی قیدی شاعر نے کہا تھا

خرجنا من الدنيا ونحن من أهلها      فلما من الأحياء فيها ولا الموتى  
إذا جاء السعجان يوماً لحاجة      عجبنا وقلنا: جاء هذا من الدنيا  
”ہم جو کہ دنیا میں رہتے تھے وہاں سے نکل کر قید خانے میں آ گئے، اب ہمارا شمار نہ زندوں میں ہوتا ہے نہ مردوں میں، ایک دن جیل کا داروغہ کسی کام سے آیا تو ہم نے بڑے تعجب سے کہا، ارے! اسے دیکھو یہ دنیا سے آ رہا ہے۔“

﴿وَمِن بَعْدِ أَنْ تَزَرَ الشَّيْطَانُ﴾ بات بات پر اللہ کے انعامات کا تو ذکر ہے مگر ابتلاؤں اور پریشانیوں کا ذکر نہیں، کریم النفس کی انتہا یہ ہے کہ بھائیوں کے حسد، مکر و فریب اور اقدام قتل کا ارشاد بھی ذکر نہیں کیا بلکہ شیطان پر ذمہ داری ڈال کر انہیں ایک طرح سے بری کر دیا۔

﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ﴾ لطیف کا معنی مہربان بھی ہے، دقیقہ رس اور باریک بین بھی، آسانی اور بھلائی کے اسباب مہیا کرنے والا اور خفیہ تدبیر کرنے والا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اللطيف الذي يوصل اليك﴾ "لطيف وہ ذات ہے جو تمہاری ضروریات

أربك في رفق﴾ {۱۸۷} مہربانی سے پوری فرماتا ہے۔"

اور علامہ رازی فرماتے ہیں:

﴿فإذا اراد حصول شئ سهل﴾ "جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے تو اس کے

اسبابه فحصل وان كان في غاية اسباب مہیا فرمادیتا ہے اور وہ چیز بہر حال

البعء عن الحصول﴾ {۱۸۸} حاصل ہو کر رہتی ہے اگرچہ بظاہر اس کا

حصول کتنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہو۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ ہی اسم "لطیف" کی تجلیات کا مظہر ہے،

بھائیوں نے ہلاکت کا ارادہ کیا اللہ نے بچالیا، زلیخا نے جیل میں بھیج کر گم کر دینا چاہا

اللہ نے شہرت اور عزت کے بام عروج تک پہنچا دیا، بھائیوں نے باپ اور بیٹے میں

جدائی کا پروگرام بنایا اللہ نے سارے خاندان کو ایک جگہ جمع فرمادیا۔

﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ﴾ حکیم وہ ذات ہے جس کا ہر قول اور فیعلہ حکمت اور

انصاف پڑتی ہے، وہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر رکھتا ہے، اس کی تدبیریں مضبوط ہیں

اور ان میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔

﴿الْعَلِيمُ﴾ وہ ایسی ذات ہے جسے ماضی، حال، مستقبل، دلوں کے اسرار، چیزوں

کی حقیقت فرضیکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا تفصیلی علم ہے۔ ایک نظر قصہ یوسف علیہ السلام



کے مدوجزر، بالخصوص آخری آیت کے مضمون پر ڈالے اور پھر لطیف، حکیم اور علیم کے معانی میں غور کیجیے، کیسی حسین مناسبت ہے ان صفات اور بیان ہوتے قصبے کے درمیان! یہ مناسبت آپ کو پورے قرآن میں دکھائی دے گی۔ کبھی آیات کے خاتمہ اور مضمون میں تذبذب تو کیجیے!

﴿۱۰۱﴾..... جب آزمائش کا دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی مادی اور روحانی نعمتیں اپنے کمال کو پہنچ گئیں تو اللہ کے نبی نے محسن حقیقی کے سامنے ہاتھ اٹھا دیئے، پہلے انعامات الہیہ کا اقرار کیا پھر اس کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد درخواست کی کہ مجھے اسلام پر موت دینا اور مجھے اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔

حکمت و ہدایت:

۱..... اپنے خاندان خصوصاً والدین کے ساتھ محبت اور ان کا اکرام اور استقبال طبعی اور فطری چیز ہے۔ (۹۹)

۲..... امن اور بقدر ضرورت رزق حلال اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلبہ حرام والوں کے لیے امن اور رزق ہی کی دعا مانگی تھی، سورہ قریش میں رب تعالیٰ نے قریش مکہ پر اپنے دو انعامات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، بھوک میں کھلانا اور خوف سے امن دینا۔

۳..... کسی دوسری مملکت میں داخل ہونے والے اجنبیوں کو ”تامین“ (امن اور تحفظ دینے کا رواج) جسے آج کل ویزا کہتے ہیں، قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے، مگر حقیقی امن اللہ ہی کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اللہ کے نبی نے ”لَنْ يَخْشَى اللَّهَ“ کہا ضروری سمجھا۔

۴..... گاؤں سے شہر میں منتقل ہونے کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں میں سے شمار کیا ہے چنانچہ اہل علم اسے بھی اللہ کی نعمت بتاتے ہیں، دیہاتی زندگی میں سہولیات کا فقدان ہوتا ہے، انسانی کمالات اور علم کے حصول کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں، دیہات میں رہنے والوں کو مختلف قسم کی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایک حدیث میں ہے:

﴿من بد اجفأ﴾ {۱۸۹} ”جس نے گاؤں میں سکونت اختیار کی اس

نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔“

دوسری حدیث میں ہے:

”الآن القسوة وغلظ القلوب“ (چرواہوں کے مزاج میں شدت اور

فی الفلادین“ {۱۹۰} قسوت ہوتی ہے۔“

۵..... بعض مذاہب میں انسانوں کے سامنے سجدہ تعظیسی جائز تھا مگر اسلام نے غیر اللہ کے لیے ہر قسم کے سجدے کو حرام کر دیا ہے، سجدہ تو دور کی بات ہے، اللہ کے ماسوا کے سامنے جھکنا بھی جائز نہیں۔ (۱۰۰)

۶..... سچے خوابوں کی تعبیر بھی بعض اوقات سالہا سال بعد وقوع پذیر ہوتی ہے، کہا جا: ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر چالیس سال بعد سامنے آئی، بعض نے اس سے بھی زیادہ مدت نقل کی ہے۔

۷..... جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرمائے تو اس کی تکمیل کے اسباب خود مہیا فرما دیتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے خاندان کو جمع کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے اسباب خود ہی آسان فرما دیئے۔



زمین میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے مگر یہ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے O اور ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں O کیا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کا ایسا عذاب آن پڑے جو ان پر چھا جائے یا ان پر اچانک قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ O اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجیے، یہ میرا راستہ ہے، میں اور میری اتباع کرنے والے انسانوں کو اللہ کے دین کی طرف پوری بصیرت کے ساتھ بلا تے ہیں، اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O

### ﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۲﴾..... یہ جو عجیب و غریب اتار چڑھاؤ پر مشتمل قصہ ہے یوسف علیہ السلام کا، جس کی ابتداء ہوئی خواب دیکھنے سے اور انتہا ہوئی مصر کی حکمرانی پر، یہ غیب کی ان خبروں میں سے تھا جن پر وحی کے بغیر نبی کریم ﷺ مطلع نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے کہ نہ تو آپ نے کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی آپ مصر اور کنعان میں موجود تھے، ویسے تو آپ کسی بھی ایسی جگہ موجود نہ تھے جہاں اس قصے کا کوئی جزء پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے خاص طور پر اس موقع کی نفی فرمائی ہے جب برادران یوسف آپ کو کنویں میں ڈالنے کی تدبیر کر رہے تھے، کیونکہ اس قصے کی ابتداء یہیں سے ہوئی تھی، ویسے بھی یہ اس قصے کا مخفی ترین حصہ تھا، بھائیوں نے ہر قسم کی احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی خفیہ تدبیر سوچی تھی جس کا ان کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ {۱۹۱}

اس آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے مگر الزام ان لوگوں پر قائم کیا جا رہا ہے جو آپ کی نبوت کو جھٹلاتے تھے، اسی طرح اشارہ اس طرف بھی ہے

{۱۹۱} وانما تخصیصہ بالذکر لكونه مطلع القصة وأخفی أحوالہا كما بنی عن قولہ تعالیٰ: "وہم یسکرون" (ابوسعود ۳/۴۳۱)

کہ اصل قصہ وہی ہے جو قرآن میں ہے، باقی رہے اہل کتاب تو ان کے بیان کردہ واقعات کو قرآن کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جائے گا، جو کچھ اس کے مطابق ہوگا اسے لے لیا جائے گا اور جو کچھ اس کے خلاف ہوگا اسے ایجاد بندہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔

﴿۱۰۳﴾..... اے میرے حبیب! اگرچہ آپ نے پوری صحت کے ساتھ ایسا قصہ بیان کیا ہے جو آپ کی نبوت اور صداقت پر واضح دلیل ہے اور آپ کفار کے قبول ایمان کے شدید حریص بھی ہیں، پھر بھی آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ ان کی اکثریت ایمان قبول کر لے گی۔

اس آیت کریمہ کا ماقبل سے ربط یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار قریش اور یہود کی ایک جماعت نے حضور اکرم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپ ہمیں قصہ یوسف سنائیں، آپ کا خیال تھا کہ شاید قصہ سن کر یہ ایمان لے آئیں مگر ان پر الٹا اثر ہوا اور وہ ضد و عناد میں پہلے سے بھی شدید ہو گئے۔

﴿۱۰۴﴾..... حالانکہ ان کے پاس کفر و عناد کے لیے کوئی عذر بھی نہیں، اس لیے کہ قرآن شتمل ہے وعظ و تذکیر اور حکمت و نصیحت پر اور آپ ان سے دعوت و ارشاد پر کسی قسم کی اجرت بھی نہیں مانگتے، اگر یہ اپنے خیر خواہ ہوتے تو قبول ایمان میں ذرا بھی دیر نہ کرتے۔

﴿۱۰۵﴾..... اگر یہ آپ کی نبوت کے دلائل کے بارے غور و فکر نہیں کرتے تو زیادہ تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ تو وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے کبھی دلائل توحید کے بارے میں تدبر ہی نہیں کیا، حالانکہ توحید کے دلائل ارض و سما میں ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں، یہ سورج اور چاند، یہ ستارے اور سیارے، یہ باغات اور چشمے، یہ پہاڑ اور دریا، یہ باغات اور مختلف قسم کی نباتات، یہ رنگارنگ پھول اور پھل سب اس کے وجود اور علم و قدرت کے دلائل ہیں۔

وہی کل شئی لہ آیت..... تدل علی انه واحد  
 ”اور ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ایسی نشانی پائی جاتی ہے جو اس کے ”ایک“ ہونے پر  
 دلالت کرتی ہے۔“

﴿۱۰۶﴾..... مشرکین کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ ایک طرف وہ اللہ کے وجود کا اقرار  
 کرتے ہیں دوسری طرف وہ کسی نہ کسی انداز میں شرک کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، غیر اللہ  
 کی ایسی تعظیم و تقدیس، عبادت و اطاعت اور عشق و محبت جو اللہ کا حق ہے، شرک ہے، اور  
 صرف قریش مکہ ہی نہیں دنیا بھر کے مشرکین اس شرک میں مبتلا ہیں، جب یہ مشرک  
 دوزخ میں اپنے معبودوں کے ساتھ جمع ہوں گے تو اپنی اس جہالت کا اقرار کریں گے:

﴿تَاللہ ان کنا لئی ضالین﴾  
 ”اللہ کی قسم! ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب

﴿اذا سئوۃ یومۃ العالین﴾ ﴿۱۹۲﴾ تمہیں رب العالین کے برابر ٹھہراتے تھے۔“

کتنا بڑا ستم ڈھلتے ہیں وہ لوگ، جو اس عظیم ہستی کے ساتھ، جو غنی اور مغنی، قادر اور مقدر  
 ہے، شریک ٹھہراتے ہیں ایسی چیزوں اور افراد کو جو فقیر اور محتاج، ضعیف اور فانی ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے، یونہی ریا اور  
 دکھاوا بھی شرک ہے، اسے شرک خفی اور شرک اصغر کہا گیا ہے، حضرت محمود بن لبید رضی  
 اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ان اخوف ما اخاف علیکم﴾ ”مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ

الشُرک الأصغر ا قالوا: وما

الشُرک الأصغر یا رسول اللہ؟

اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا، ریا!“

قال: ”الریاء“ ﴿۱۹۳﴾

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

﴿قال رسول الله ﷺ: يقول الله أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملاً أشرك فيه معي غيري تركته وشركه﴾ {۱۹۳}

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں سے زیادہ شریک سے بیزار ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے گا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا، میں اسے اور اس کے شریک کو چھوڑ دوں گا۔“

مختصر یہ کہ بہت سارے مشرک ایسے ہیں جو بعض چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بے شمار مومن ایسے ہیں جو کسی نہ کسی انداز میں شریک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے یقیناً ایسے لوگ دیکھے ہوں گے جو قبروں پر سجدے کرتے، ان پر چڑھاوے چڑھاتے اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں، نجومیوں، کاہنوں، پیروں، فقیروں اور پیشہ ور عالموں کے پاس جاتے اور ان سے اپنے مسائل کے حل کی امیدیں رکھتے ہیں، عام حالات میں بھی اللہ کو پکارنے کے بجائے انہیں نبیوں اور ولیوں کو پکارنے میں زیادہ سکون محسوس ہوتا ہے جبکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم مومن بھی ہیں اور موحد بھی!

﴿۱۰۷﴾..... مشرکوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جائیں، اللہ کا عذاب ان پر دن اور رات میں کسی بھی وقت آ سکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے اور انہیں خبر ہی نہ ہو۔

یہ مضمون قرآن میں کئی جگہ آیا ہے مثلاً سورہ اعراف میں ہے:

”کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات

کے آگے آ پڑے گا؟ سو رہے ہوں؟ کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جبکہ وہ کھیل کود میں لگے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہوں۔“ {۱۹۵}

﴿۱۰۸﴾..... اللہ اپنے نبی سے کہلو اور ہے ہیں کہ لوگوں کو بتا دیجیے کہ میرا اور میرے متبعین کا راستہ اور مسلک ایمان اور توحید کی دعوت کا راستہ ہے مگر یہ دعوت خالی خولی لفاظی اور کورانہ تقلید پر مبنی نہیں ہے بلکہ بصیرت اور عقل و حکمت کا ثمرہ ہے، مجھے اور میرے متبعین کو اپنی دعوت کی سچائی پر یقین ہے۔

ویسے تو ”متبعین“ کے عموم میں ہر وہ خوش نصیب آجاتا ہے جو دعوت جیسے عظیم عمل میں مشغول ہے مگر اس کے اولین مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے وراثتِ نبوی اور دعوتِ دین کا حق ادا کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس امت کے بہترین افراد ہیں جن کے قلوب پاک اور علم گہرا ہے، تکلف کا ان میں نام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی صحبت و خدمت کے لیے منتخب فرمایا ہے، تم انہی کے اخلاق و عادات اور طریقوں کو سیکھو کیونکہ وہی سیدھے راستہ پر ہیں۔“ {۱۹۶}

﴿وَمَا آتَانَا مِنَ الشَّرِّ كَيْفًا﴾ چونکہ اوپر یہ ذکر آیا تھا کہ بعض لوگ ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں، اس لیے آپ نے شرک سے اپنی برأت کا اعلان فرمایا۔

حکمت و ہدایت:

۱..... کسی کتاب کے مطالعہ اور کسی استاد سے استفادہ کے بغیر سابقہ انبیاء کے واقعات

{۱۹۵} (الأعراف ۷/۹۴-۹۹)

{۱۹۶} (البغوی بحوالہ المراغی ۱۳/۵۲-۵۳)



صحت اور صداقت کے ساتھ بیان کر دینا سرورِ دو عالم ﷺ کی نبوت پر واضح اور قطعی دلیل ہے۔ (۱۰۲)

۲..... انسانوں کی اکثریت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اطلاع یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے لہذا ادا عیان دین کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

۳..... حضراتِ انبیاء اپنی امت کی ہلاکت کے نہیں، ہدایت کے شدید حریص ہوتے ہیں، اس سے ان ہدایت پسند داعیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو اپنے مخالفین کی ہدایت سے زیادہ ان کی ہلاکت اور بربادی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ (۱۰۳)

۴..... دین کی دعوت مفت ہونی چاہیے، داعی کی اجرت اللہ کے ذمہ ہوتی ہے، ہر پیغمبر نے اپنی امت سے یہی کہا کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت اللہ کے ذمہ ہے۔ (۱۰۳)

۵..... قرآن صرف اہل عرب کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ (۱۰۴)

۶..... آیاتِ الہیہ سے غفلت اور ان میں عدمِ تفکر اللہ کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔ (۱۰۵) تعجب ہوتا ہے جب ہم ان سطحیت پسندوں کے خیالات پڑھتے اور سنتے ہیں جو غور و تدبر کو گمراہی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں اور مغز غیروں کے سامنے پھینک کر خود ہڈیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔

۷..... انسانوں میں سے بے شمار ایسے ہیں جو اللہ کو خالق، رازق اور مدد تسلیم کرنے کے باوجود بعض صفات اور عبادات میں مخلوق کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ (۱۰۶) خود مشرکین عرب کا بھی یہی حال تھا، وہ حج میں یوں تلبیہ پڑھا کرتے تھے:

﴿لَيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَاهو لک تملکہ تیرے اس شریک کے کہ تو اس کا اور اس کی ملکیت میں آنے والی چیزوں کا مالک ہے۔﴾ (۱۰۹)

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے بارے میں ہے، جو زبان سے تو ایمان کے دعوے کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں کفر اور شرک تھا۔

۸..... نبی اکرم ﷺ اور آپ کے متبعین کا طریقہ اور سنت پورے یقین اور شرح صدر کے ساتھ ”دعوت الی اللہ“ ہے، جو خوش نصیب اس میدان میں اپنی صلاحیتیں لگائے ہوئے ہیں، وہ کارِ نبوت میں مصروف ہیں۔

## قرآنی قصص سے عبرت

﴿۱۰۹.....۱۱۱﴾

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اور جنے بھیجے ہم نے تم سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وہی بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے، سو کیا ان لوگوں نے

فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ حَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا

نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے

تَعْقِلُونَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرًا مِنْ بَيْنِنَا

والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے؟ یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا

مَنْ نُنشِئُ وَلَا يَرُدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۗ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي

بچیں ان کو ہماری مدد، پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھر تانیں عذاب ہمارا قوم گناہ گار سے ۰ البتہ ان کے احوال سے اپنا

الْأَكْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ نَصُوْبِي الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

حال تیاں کرنا ہے عقل والوں کو کچھ بتائی ہوئی بات نہیں کہیں موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر جز

تَفْصِيلٍ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ۰

رابطہ: رسول اکرم ﷺ کا سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ پوری صحت اور تفصیل سے بیان کر دینا آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے، اثباتِ نبوت کے بعد ان لوگوں کی تردید ہے جو مختلف اعتراضات کرتے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر رسول بھیجنے کی واقعی ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا، ایک انسان نبی کیسے بن گیا؟ اسی طرح وہ بار بار یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد! (ﷺ) اگر آپ واقعی سچے رسول ہیں تو آپ ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں لے آتے؟ اس عجلت پسندی کا جواب بھی یہاں دیا گیا ہے۔

تسہیل: ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاء بھیجے وہ سب آدمی تھے، کیا یہ لوگ اللہ کی زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کا انجام کیا ہوا؟ البتہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہیں، کیا تم ان حقائق کو سمجھتے نہیں ہو؟ ○ جیسے آج کے کفار کو مہلت دی گئی ہے یونہی ماضی کے کفار کو بھی مہلت دی گئی تھی، یہاں تک کہ جب اللہ کے نبی ان پر عذاب کے آنے سے مایوس ہونے لگے اور انہیں خیال آنے لگا کہ کہیں عذابِ الہی کا وقت سمجھنے میں ہم سے غلطی تو نہیں ہوگئی تو مایوسی کے اس عالم میں ہماری مدد آگئی، پھر جسے چاہا ہم نے بچا لیا لیکن ہر مومن کو ہمارے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا ○ عقلِ سلیم والوں کے لیے ان کے قصوں میں بڑی عبرت ہے، یہ قرآن کسی انسان کا خود ساختہ کلام ہے بلکہ یہ ان کتابوں کے موافق ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں، اس میں ہر ضروری چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان والوں کے لیے رحمت اور ہدایت کا ذریعہ ہے ○

## ﴿تفسیر﴾

﴿۱۰۹﴾..... تاریخ نبوت اور سیرت انبیاء پر نظر ڈالنے سے دو حقیقتیں سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ جتنے بھی انبیاء آئے وہ سب مرد تھے، نہ وہ فرشتے تھے اور نہ ہی عورتیں، اگرچہ بعض حضرات حضرت سارہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم (سلام علیہا) کی نبوت کے قائل ہیں اور اپنے اس دعویٰ پر وہ بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں مگر جمہور علماء نے ان کے دعویٰ کو مرجوح اور دلائل کو کمزور قرار دیا ہے۔ {۱۹۸}

دوسری حقیقت جو اہل علم نے بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء شہروں میں مبعوث ہوئے، اس لیے کہ عام طور پر دیہاتیوں کی طبیعت پر جہالت اور شدت کا غلبہ ہوتا ہے {۱۹۹} جبکہ ان کے مقابلے میں شہر بنائیم مزاج اور علم دوست ہوتے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

﴿الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا  
وَإَجْدَرُ أَنْ لَا يَعْلَمُوا حُدُودَ  
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ﴾ {۲۰۰}

”ان منافقوں میں جو دیہاتی ہیں، وہ کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملے میں اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ انہیں ان احکام کا علم ہی نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔“

طبائع کے اختلاف کے علاوہ ایک امر یہ بھی ہے کہ شہروں کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے، جس دعوت اور تحریک کا آغاز کسی بڑے شہر سے ہوتا ہے، اس کے اثرات بہت جلد دور دور تک پہنچ جاتے ہیں جبکہ دیہات سے اٹھنے والی آواز بسا اوقات نثار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوتی ہے، کھیت کھلیانوں اور وادیوں سے اٹھ کر وہیں گم ہو جاتی ہے۔

(۱۹۸) (ابن کثیر ۲/۶۳۴-۶۳۵)

(۱۹۹) أهل البوادي الذين هم من اجنى الناس طباعًا واخلاقًا (حوالہ مذکورہ)

(۲۰۰) (التوبة ۹/۹۷)

﴿اَنْكُرَيْسِيْرُوَانِي الْاَذْيٰس﴾ قرآن بار بار گزشتہ اقوام و مل کے حالات اور انجام کے مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے اور نافرمان قوموں کو سمجھاتا ہے کہ اللہ نے اپنا قانون جزا و سزا نہیں بدلا، اگر حضرت نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام کی قوموں کو ضد عباد اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا گیا تھا تو تمہیں بھی ان پیاریوں کی وجہ سے ہلاکت ہی کا سامنا کرنا پڑے گا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ انہیں تو ہلاک کیا جائے اور تم پر انعامات کی بارش ہو۔

﴿۱۱۰﴾..... اسے قرآن کریم کی مشکل آیات میں سے شمار کیا جاتا ہے، وجہ اشکال یہ ہے کہ اگر ”ظنوا“ اور ”کذبوا“ کی ضمیر ”رسل“ کی طرف لوٹائی جائے تو بظاہر معنی یہ بنتا ہے کہ انبیاء نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا یا اللہ کی طرف سے معاذ اللہ! ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں ایسا گمان رکھیں، اس اشکال سے بچنے کے لیے مختلف طریقوں سے تفسیر کی گئی ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے وہ بے تکلف بھی ہے اور آسان بھی، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب نافرمان قوموں کو طویل مہلتیں دی گئیں تو انبیاء کرام ان پر عذاب آنے سے مایوس ہو گئے، اللہ کے بارے میں تو وہ یہ بدگمانی نہیں کر سکتے تھے کہ اللہ نے وعدہ خلافی کی ہے، سو انہوں نے اپنے بارے میں یہ سوچا کہ اللہ نے منسل نافرمانی کی صورت میں قوم پر عذاب بھیجنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس کے وقت کی تعیین میں ہم سے غلطی ہو گئی، اللہ نے تو کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا ہم نے ہی اپنے طور پر وقت متعین کر لیا۔ (۲۰۱)

یہاں یہ اعتراض بہت کمزور ہے کہ انبیاء سے غلطی کیسے ہو گئی، کیونکہ انبیاء سے اجتہادی غلطی کا ہونا تسلیم شدہ چیز ہے، البتہ انبیاء اور دوسرے مجتہدین میں فرق یہ ہے

کہ انبیاء کو غلطی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا بلکہ انہیں باخبر کر کے ان پر حقیقت کھول دی جاتی ہے جبکہ عام مجتہدین کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ”ظنوا“ اور ”کذبوا“ کی ضمیر قوم کی طرف لوٹائی جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے {۲۰۲} اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب رسول اپنی قوم کے قبولِ ایمان سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کر لیا کہ یہ انبیاء ہمیں اللہ کے عذاب سے جوڈراتے تھے وہ جھوٹی باتیں تھیں تو اس موقع پر اللہ کا عذاب آ گیا۔

یہ تقریر اس صورت میں جبکہ ”کذبوا“ کو ذال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر اسے تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو بھی دو مفہوم بن سکتے ہیں۔

پہلا یہ کہ ظن کو یقین کے معنی میں لیا جائے، مطلب یہ ہوگا کہ جب رسولوں کو یقین ہو گیا کہ ان کی امتوں نے انہیں مکمل طور پر جھٹلا دیا ہے اور اب ان سے ایمان لانے کی توقع نہیں کی جاسکتی تو انہوں نے اللہ سے ان سڑے ہوئے اعضاء کی تباہی کی دعا مانگی چنانچہ انہیں تباہ کر دیا گیا۔

دوسرا مفہوم وہ ہے جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، وہ یہ کہ جب سرکش قوم کی ضد اور عناد کے باوجود عذاب نہ آیا اور ایمان لانے والے سوال اٹھانے لگے ”متنی نصر اللہ“ (اللہ کی مدد کب آئے گی؟) تو رسولوں کو یہ گمان پریشان کرنے لگا کہ کہیں ایمان لانے والے بھی ہمیں جھوٹا نہ سمجھ لیں۔ {۲۰۳}

﴿۱۱۱﴾..... حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہو یا دیگر انبیاء کے قصے، یہ محض دفع الوقتی، تخریر خیزی اور داستان گوئی کے طور پر بیان نہیں کیے جاتے بلکہ ان کا مقصد عبرت

و نصیحت اور ہدایت ہوتا ہے، ان قصوں کے آئینے میں ہر قوم اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے، فرمانبردار بھی اور نافرمان بھی، ظالم و سرکش بھی اور عادل و منکسر مزاج بھی۔

﴿لَا دِينَ إِلَّا الْكُتُبُ﴾ مگر ان قصوں سے نصیحت صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں، ”الباب“ لب کی جمع ہے اور ”لب“ صرف اس عقل کو کہا جاتا ہے جو کھوٹ سے پاک ہو، {۲۰۴} جس پر نفسیاتی خواہشات اور قومی تعصبات اثر انداز نہ ہوں، بعض حضرات اسے عقلِ معاد سے بھی تعبیر کرتے ہیں، حصولِ ہدایت کے لیے عقلِ معاش کافی نہیں، عقلِ معاد ضروری ہے، آخرت کی فکر رکھنے والے ہر آیت، ہر حدیث اور ہر قصہ سے شاہراہِ حیات پر چلنے کے لیے چراغِ تلاش کر لیتے ہیں جبکہ اپنی سوچ دنیا اور کسبِ معاش تک محدود رکھنے والوں کو پورے قرآن میں پہلوں کے قصوں اور کہانیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

﴿مَا كَانَ جَدِّيْنَا﴾ یہ قرآن کوئی ایسا کلام نہیں ہے جسے کسی انسان نے خود گھڑ لیا ہو، اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ وہ کلام جو تحقیق کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو اور اس کے مضامین نہ صرف یہ کہ پہلی آسمانی کتابوں کے موافق ہوں بلکہ ان کے صحیح اور غلط میں فرق بھی کرتے ہوں، اسے ایک انہی انسان نے گھڑ بیٹھے خود ہی گھڑ لیا ہو۔

﴿وَتَوْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور اس قرآن میں ہر اس چیز کی تفصیل ہے جس کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے رضائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے، خواہ اس کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہو یا اخلاق اور معاشرت سے ہو۔

﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً﴾ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے..... قرآن تو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے خواہ کافر ہوں یا مومن، مگر اس سے فائدہ صرف ایمان والے ہی اٹھاتے ہیں، کافروں کے لیے یہ ہدایت اور رحمت

کے بجائے ضلالت اور زحمت کا سبب بن جاتا ہے۔

حکمت و ہدایت:

۱..... انبیاء ہمیشہ مردوں میں سے ہوئے ہیں، نہ ان میں کوئی عورت تھی نہ جن نہ

فرشتہ۔ (۱۰۹)

۲..... بہت سی مصلحتوں کی بناء پر انبیاء شہروں میں آتے ہیں (۱۰۹) انہی مصلحتوں کی

وجہ سے بڑے علمی اور اصلاحی مراکز بھی شہروں میں ہوتے ہیں۔

۳..... ہر صاحب نظر و فکر پر لازم ہے کہ تباہ شدہ اقوام کے حالات اور انجام پر غور و فکر کرے

اور عبرت حاصل کرے۔ (۱۰۹)

۴..... اجتہادی خطا انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے۔ (۱۱۰)

۵..... نافرمانوں کو مہلت دینا اور اپنے اولیاء کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے۔ (۱۱۰)

۶..... ظاہری حالات سے گھبرا جانا ایمان اور تقویٰ کے منافی نہیں ہے۔ (۱۱۰)

۷..... اللہ والوں کے دل میں بھی غیر اختیاری وساوس آ جاتے ہیں۔ (۱۱۰)

۸..... اقوام عالم کے مذہب و جزیرہ، عروج و زوال اور ہلاکت و بقاء میں عبرت کا بڑا سامان

ہے، مگر ان کے لیے جو تصربات سے پاک دل اور دماغ رکھتے ہیں۔ (۱۱۱)

۹..... قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کی

مثل کوئی بنا سکتا ہے۔ (۱۱۱)

۱۰..... قرآن مجید پہلی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان کے مضامین کا محافظ بھی ہے۔ (۱۱۱)

۱۱..... دین اور دنیا کے معاملات کی اصلاح اور اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کے

لیے جن احکام اور ہدایات کی ضرورت ہے، وہ سب قرآن میں ہیں۔ (۱۱۱)

۱۲..... آخری آیت میں قرآن کریم کی جو پانچ صفات مذکور ہیں، اگر ان کی روشنی میں



قصہ یوسف علیہ السلام کا جائزہ لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

- (۱)..... اس قصہ میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔
- (۲)..... حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ قصہ خود نہیں گھڑ لیا کیونکہ آپ نے نہ تو کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی کا تلمذ اختیار کیا، نہ اہل علم کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی زندگی بھر آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا گیا۔
- پھر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس قصے کے کسی جزء کا تعارض تو زرات اور انجیل سے نہیں ہے۔
- (۳)..... حضرت یوسف علیہ السلام کا جو معاملہ اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ پیش آیا اسے پوری تفصیل کے ساتھ قرآن نے بیان کیا ہے۔
- (۴)..... یہ قصہ دنیا میں ہدایت کا سبب ہے۔
- (۵)..... اس ہدایت پر عمل آخرت میں اہل ایمان کے لیے حصول رحمت کا سبب ہوگا۔